سلسلہ تصنیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ (امرتسر)
نمبر ۵۷

ان ہندو تذکرہ

مشاہیر اسلام

حضرت زید رضہ

از

خواجہ محمد عباد اللہ اختر بی اے
امرتسری

بانار سٹیم پریس امرتسر
عبدالعزیز پرنٹر
سنہ ۱۳۲۹ھ
۱۹۱۱ء

تعداد جلد ایک ہزار
(۱۰۰۶)
قیمت فی جلد ۴ر

سلسلۂ تہذیب

ذیل میں ان کتابوں کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جو کمبل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر سے مل سکتی ہیں۔ یہ کتابیں ہندوستان کے بہترین دل و دماغ کے علمی۔ اخلاقی۔ اصلاحی۔ مذہبی نتائج ہیں اور تہذیب الاخلاق کے اغراض و مقاصد کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ قوم میں اسلامی روشنی اور تعلیمی تحریک کی مقدس روح وسیع کرنے کے لیے امید ہے کہ ان تالیفات کا اثر ایک طاقتور محرک ثابت ہوگا۔

نام کتاب	تعداد صفحات	نام مصنف	قیمت
تفسیر السموات	۱۲۰	سر سید احمد مرحوم	ھر
الایمان	۱۱۶	مولانا محمود علی پروفیسر ندہبیر کالج کیمبرج	۶ر
خطبات احمدیہ معہ تصویر سرسید	۲۶۰	سر سید مرحوم	عہ
ادلۃ الکرام فی اثبات عقائد الاسلام	۱۸۲	منشی عطا محمد	عہ ر
الاسلام	۱۶۸	مولوی فتح محمد	۸ر
حقیقۃ السحر	۴۸	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۲ر
دین الفطرۃ	۵۸	علامہ شیخ محمد عبد العزیز شادیش مصری	۶ر
اسلام کی حقیقت	۳۲	منشی عطا محمد	۴ر
اسلام کی دنیوی برکتیں	۱۳۶	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	مہ
تقلید و عمل بالحدیث	۱۳۴	نواب محسن الملک مرحوم	۸ر

۶۹۹۲

حضرت زید بن حارثہؓ

فی زمانہ "اسلام" کا مقابلہ بدھ مذہب سے وسط ایشیا میں ہندو مذہب سے ہندوستان میں اور عیسائیت سے کل دنیا میں ہو رہا ہے۔ تیرہ سو برس سے مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور دیگر مذاہب کے معتقدین نسبتاً کم ہوتے جاتے ہیں نتیجہ بہت صاف ہے کہ "اسلام" ہر ایک جگہ غالب آ رہا ہے۔ ہم اُن اسباب پر غور کرتے ہیں جو دیگر مذاہب پر "اسلام" کے غلبہ کا باعث ہیں +

(۱) بانیان مذاہب کا باہمی مقابلہ +

(۲) مقدس کتب کا باہمی مقابلہ +

(۳) مقدس کتب اور اُن کی تعلیم اور اثر +

بانیان مذاہب میں سے ہم منو اور بدھ اور عیسےٰؑ کا مقابلہ محمدؐ سے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر "آر۔ بعت۔ نوٹ" اپنی کتاب "اریک او تھرز" میں بدھ اور مسیحؑ اور محمدؐ کا باہمی مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اقل الذکر دو مشاہیر عالم کے حالات زندگی تاریکی میں ہیں۔"

بلکہ آنحضرت صلعم کے حالات پیدائش سے لے وفات [illegible] مفصل
معلوم ہیں اور ایسے مفصل اور مکمل معلوم ہیں کہ اُٹھتے [illegible] تے
جاگتے غرض کوئی حرکت جو آپ سے صادر ہوئی اور کوئی [illegible] جو
آپ کے مُنہ سے نکلی۔ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ یہ بالکل سچ ہے۔ کہ
دنیا میں کسی اور شخص کی سوانح عمری ایسی مفصل اور مکمل نہ کبھی
قلم بند ہوئی اور نہ موجود ہے +

"ساکی منی گوتم بدھ" اور منو کی ہستی کا تو بعض محققین نے سرے
سے انکار ہی کر دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بُدھ اور منو دنیا میں خاص اشخاص
کے نام نہ تھے۔ کوہ ہمالیہ کے دامن میں نہ کبھی کوئی سلطنت "کپل وستو"
نامی تھی اور نہ اُس کے آثار کہیں ملتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ
بُدھ مذہب کی بُنیاد "کپل کے سانکھہ شاستر" پر قائم ہے۔ اور بُدھ کی
پیدائش کا راز اسی شاستر میں کھُلتا ہے۔ یعنی اس کے مطالعہ سے
بُدھ یعنی نُور علم و عقل پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو دُنیا
سے کنارہ کش رشیوں نے کوہ ہمالیہ کے دامن میں لکھی۔ جو گوشہ
نشین تپسیتوں کا گھر ہے۔ اگر اسے پرامن روحانی سلطنت سے
تعبیر کیا جائے تو بہت موزون ہوگا۔ ایک روایت مشہور ہے کہ
دُنیا میں ایک نہیں سیکڑوں بُدھ گذرے ہیں۔ اگرچہ کسی ایک کے
بھی حالات زندگی معلوم نہیں۔ مگر نتیجہ یہی ہے کہ موجودہ بُدھ
مذہب کا بانی ایک خاص واحد شخص نہ تھا۔ مختلف زمانوں میں
مختلف اشخاص کی متفقہ اصلاحی تعلیم کا نام بدھ مذہب ہے
مختلف مقامات میں بُدھ کی ہستی کے آثار ملتے ہیں۔ یہ بُدھ

مذہب کے مندر ہیں۔ جہاں گوتم بدھ کے بُت مختلف خط و خال میں موجود ہیں۔

بدھ کے دانتوں کی پرستش ہوتی ہے۔ کہیں کہیں اب بھی انسانی پنجر دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کی نسبت یہ رائے خوش اعتقادوں نے قائم کی ہے کہ بدھ کے استخوان ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر ان تمام آثاروں کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو کیا صورت پیدا ہو گی؟ بہرحال اس شہادت کا نتیجہ اگر اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا میں بدھ ایک شخص گزرا ہے۔ اور اس لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ بدھ ایک شخص تھا اور یہ بھی بغیر کسی شہادت کے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ شخص موجودہ بدھ مذہب کا بانی تھا۔ مگر اس سے کچھ مفید مطلب نتیجہ اخذ نہیں ہو سکتا۔ سوال بدھ کے حالات زندگی کے متعلق ہے۔ جو بالکل تاریکی میں ہیں۔

بدھ کے متعلق صرف یہی روایتیں مشہور ہیں کہ وہ ایک راجہ کا بیٹا تھا۔ جس کی سلطنت ہمالیہ کے دامن میں واقع تھی۔ اس نے دیکھا کہ جوانی کے ساتھ بڑھاپا تندرستی کے ساتھ بیماری۔ اور زندگی کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے۔ دنیا میں غم اور شادی توام ہیں۔ اس لیے ترک دنیا کر کے راج پاٹ بیوی بچے چھوڑ کر اوّل برہمنوں کا چیلہ بنا اور آخر کار ان کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ ان کی بیخ کنی کے درپے ہوا۔ ؎

کس نیاموخت علم تیر از من * کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

بھی کچھ مفصل حالات بدھ کی نسبت معلوم ہیں۔

منو کے متعلق تو اتنا بھی معلوم نہیں۔ ایک محقق نے لکھا ہے کہ منو فی الحقیقت وہی لفظ ہے جو انگریزی میں "مین" (آدمی) اور فارسی میں "من" (جس سے شخصیت ظاہر ہوتی ہے) اور ہندی میں "مان" یا "مانوں" اور "منکھ" یا "منش" ہے۔ ان سب زبانوں کی اصل سنسکرت ہے۔ اس لیے یہ سب الفاظ ایک ہی لفظ سے مشتق ہیں۔ جس کے معنے "آدمی" ہیں۔ "منو کے دھرم شاستر" کے یہ معنے ہیں کہ ایسا ضابطہ آئین و قوانین جو آدمی کا دستور العمل ہے یہ قیاس کہ یہ ضابطہ کبھی ایک شخص "منو" نامی کی تصنیف یا تالیف ہے۔ غلط ہے۔ اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ قیاس واقعات پر مبنی نہیں ہے +

حضرت عیسےٰؑ کی ہستی سے انکار نہیں ہو سکتا اور نہ کسی نے آج تک اس پر شک و شبہہ کیا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آپ تینتیس ۳۳ برس کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اب آسمان پر زندہ ہوں یا زیر زمین دفن ہوں۔ بہر حال ان کی زندگی اُنیس ۱۹ سو برس سے اس دُنیا کی زندگی نہیں اور نہ ہمیں کچھ اس سے بحث ہے۔

سوال یہ ہے کہ تینتیس برس کس طرح بسر کیے اعجازی پیدائش سے تیس ۳۰ سال تک تو آپ بالکل مفقود الخبر رہے۔ اور کسی نیک دل عیسائی کو علم نہیں کہ اس قدر عرصہ دراز آپ کہاں رہے اور کیا کرتے رہے۔ عین عالم شباب یعنی تیس سال کی عمر میں آپ

میریوں کے کنارہ پر کھڑے نظر آتے ہیں اور حضرت یحییٰؑ سے اصطباغ کی استدعا کرتے ہیں۔ اس کے بعد تین سال کے حالات بالاختصار "متی"۔ "لوقا" اور "مرقس" "یوحنا" نے قلمبند کیے ہیں یعنی ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ میں بار بار بیان کیا گیا ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ واقعات اگرچہ بہت سادہ ہیں مگر چاروں سوانح نگار "وقت" "مقام" اور کیفیت میں ایسا اختلاف کرتے ہیں جو واقعات کو شک و شبہ میں ڈالتے ہیں اور کم از کم یہ یقین ہوتا ہے۔ کہ مقدس سوانح نگار چشم دید شہادت قلم بند نہیں کرتے۔ بلکہ سنی سنائی روایتیں اور حکایتیں نقل کرتے ہیں۔ مقدس سوانح نگار مسیحؑ کے معجزات کو بار بار بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ معجزات ایک خاص وقت اور مقام کے لیئے تھے اور اب اُن کا عدم اور وجود یکساں ہے۔ وہ حالات جن کا علم آئندہ نسلوں کے لیے معجزات سے بہت زیادہ مفید تھا۔ کہیں کہیں اشارتاً بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن اس سوال کا جواب کہ "اس کو یہ حکمت اور معجزے کہاں سے مل گئے؟ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ (متی باب ۱۳۔ آیت ۵۵) کسی مقدس سوانح نگار نے بھی نہیں دیا۔ اگر کوئی حواری آپکے تیس سالہ حالات لکھتا تو اس سوال کا جواب ہوتا۔

ایسے اشخاص کا جو عنقا کی طرح صرف معلوم الاسم ہیں۔ اور جن کے حالات کا کسی شخص کو علم نہیں "محمد مصطفےٰ ﷺ" سے مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ "بدھ" "ہندو" اور عیسائی اپنے اپنے بانیٔ مذہب کو خدائی رتبہ دیتے ہیں اور "دیوتا"۔ "اوتار" اور "خدا کا

بیٹا۔ اور خدا سمجھتے ہیں۔ ان کی مذہب کی بنیاد انہی دیوتاؤں
اور اوتاروں کی ہستی پر قائم ہے۔ اگر اس لیے ہندوؤں کا یہ عقیدہ
ہے کہ یہ اوتار مختلف "جون" بدل بدل کر دنیا میں آتے ہیں تو عیسائیوں
کا ایمان ہے کہ "مسیح" اب تک زندہ ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کسی ایک
کے حالات مفصل تو کیا مختصر بھی معلوم نہیں۔ اس کے برخلاف
"اسلام" آنحضرت صلعم کی ہستی پر قائم نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف
کی متعدد آیات[1] سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر "محمد" وفات پا جائے تو اسلام
کو کچھ ضرر نہیں پہونچ سکتا اور خود آنحضرت صلعم کا دعوے اس سے
زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ پیغمبر ہیں۔ اور تبلیغ کا معاوضہ کسی سے کچھ
طلب نہیں کرتے۔ نیز اپنی پرستش کروانا نہیں چاہتے۔ اس صورت
میں اگر آنحضرت صلعم کے حالات ہمیں مفصل معلوم نہ ہوتے تو کچھ
قباحت نہ تھی۔ لیکن "بدھ" اور ہندو مذہب اور عیسائی۔ ان کے
مقلدین کے عقاید کے مطابق مردہ مذاہب ہیں۔ اگر ان کے دیوتا
اور اوتار مردہ ہوں۔ اس سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ
اسلام کے سوائے کل مذاہب بانیان مذاہب کے وجود سے وابستہ
ہیں۔ "اسلام" مذہب کا نام ہے۔ لیکن "بدھ" مذہب کیا ہے؟

سلہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (سورۃ شوریٰ)
" کل نفس ذائقۃ الموت (آل عمران) +
" وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات
" او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (آل عمران) +
" انا لہ لحافظون +

اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مذہب جس کا تعلق "بدھ" سے ہے۔ ہندو مذہب میں ملکی خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مذہب تمام ملک ہندوستان کی رسم و رواج کا مجموعہ ہے۔ اور اس لیے ایسا مذہب ہے جس کا تعلق صرف ہندوؤں سے ہے۔ عربی مذہب۔ شامی مذہب مصری مذہب۔ یونانی مذہب۔ ایرانی مذہب۔ اور اسی قسم کے ناموں سے کیا مفہوم ہوتا ہے۔ یہی معنے "ہندو مذہب" کے ہیں۔ بدھ مذہب کی طرح عیسائیت بھی ایک شخص کی ذات پر قائم ہے۔ عیسائیت ہمارے مدعا کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ عیسائیوں کے عقاید کے مطابق یسوع مسیح پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے یسوع مسیح کو حی القیوم سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ مذہب زندہ نہیں رہ سکتا۔ حیرت ہے کہ مدار نجات ایک انسانی وجود پر ہو۔ اور اس کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ اگر ہمیں ان کے حالات کا علم ہوتا تو سوچ سمجھ کر ان کی نسبت صحیح رائے قائم کرتے ہوئے ہندوؤں اور عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے متقدمین کے اوتاروں اور دیوتاؤں کے متعلق یہ فیصلہ کر سکتے کہ ان کی حیثیت معمولی انسانوں سے کس طرح بڑھی ہوئی ہے اور موجودہ زمانہ میں انہیں جس عزت کا مستحق سمجھا جاتا ہے کس حد تک درست ہے اور کم از کم اتنا تو معلوم ہوتا کہ ان کے ہمعصر اور ہم وطن انہیں کیا سمجھتے تھے۔

مسٹر "کارلائل" نے اپنی کتاب "ہیروز" میں بالکل صحیح لکھا ہے۔ کہ ابتدائے آفرینش سے "محمد" کی پیدائش تک دنیا کا فہم حد بلوغ کو نہ پہنچا تھا۔ اور اس لیے ہیروز کو دیوتا۔ اوتار۔ اور خدا سمجھتے تھے۔ لیکن

جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو دُنیا کے حالات اور خیالات کی کایا پلٹ گئی وہ زمانہ گذر گیا کہ انسانوں کو خدا سمجھتے تھے۔ اور اب وہ زمانہ کبھی واپس نہیں آسکتا۔ ہم نہایت معقولیت سے سوال کرسکتے ہیں کہ کیا کبھی لوگوں نے ایک انسان کو جسے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا دیکھتے ہیں "خدا" یعنی اس دُنیا کا خالق سمجھا تھا۔ بہر حال آنحضرت صلعم کی بعثت کے بعد کوئی انسان کبھی خدائی کا دعوےٰ نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس دعوےٰ کو تسلیم کرے گا۔"

ان دیوتاؤں۔ اوتاروں اور خداؤں کی نسبت جو کچھ واقعات بیان کیے جاتے ہیں، اس لیے غلط ہیں کہ ناممکن ہیں اور ان میں ذرا بھی معقولیت نہیں۔ خوش اعتقادی نے یہ روایتیں اختراع کیں اور یہی ہندوؤں اور عیسائیوں کا مذہب بن گئیں۔ صرف یسوع مسیحؑ ہی خدا کے بیٹے نہیں۔ مصری۔ یونانی چینی اور ہندوؤں کی مائی۔ تھیو لوجی۔ کا مطالعہ کرو تو واضح ہو جائے گا۔ کہ تمام دیوتاؤں اور اوتاروں کا نسب خدا تعالےٰ پر منتہی[لہ] ہوتا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اُنکی

لہ مقدس متی یسوع مسیحؑ کا نسب نامہ اس طرح شروع کرتے ہیں :-

"یسوع مسیحؑ ابن داؤدؑ ابن ابراہیمؑ کا نسب نامہ"

چونکہ آپ کے آباواجداد میں حضرت داؤدؑ اور حضرت ابراہیمؑ بھی ہیں اس لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ ابن داؤدؑ اور ابن ابراہیمؑ تھے۔

مقدس لوقا (باب ۳۔ آیت ۲۳ لغایت ۳۸) یسوع مسیحؑ کا نسب نامہ خدا تک اس طرح پہونچاتے ہیں۔

"یسوع مسیحؑ یوسف کا بیٹا تھا اور وہ عیلی کا اور × × × × × × × × ×

پیدائش "مبارک ایجنیر" یعنی اُن زمانوں میں ہوئی جب مطلع دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ بقول "مسٹر کارلائل" آنحضرت صلعم کی بعثت کے ساتھ دنیا کی کایا پلٹ گئی اور روشنی کا زمانہ شروع ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ بعثت سے پیشتر دُنیا کے دماغ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا صحیح صحیح خیال پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ توحید جیسا کہ اب اسلام کے ذریعہ ہر ایک شخص سمجھ رہا ہے۔ ہندوستان میں ساکی منی گوتم بدھ کو بھی اس کا علم نہ تھا۔

مسٹر کارلائل نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کی نسبت جس قدر بے سروپا الزام لگائے گئے ہیں وہ صرف عیسائی تعصب کی اختراع ہیں۔ ایک عربی شاعر نے کیا اچھا جواب اپنے حریف کی ہجو کا دیا ہے کہ "تو ہمارے حسب و نسب سے واقف ہے۔ اس لیے تو اس کے عیوب بیان کرتا ہے۔ اگر ہم بھی تیرے آباو اجداد کو جانتے تو بتا دیتے۔ کہ ان میں کیا بُرائیاں ہیں"۔ یعنی ہم مشہور و معروف ہیں اور تو مجہول النسب آدمی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کفار مشرکین عرب اگرچہ بوجہ تعصب اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن آنحضرت کی ذات میں کوئی عیب دکھا نہیں سکتے تھے۔ آپ کی بے عیب زندگی اور بے غرض ہمدردی اور سچی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ آپ کی زندگی میں کل عرب نے اسلام قبول کر لیا۔

× × × × وہ شیث کا اور وہ آدم کا اور وہ خدا کا"

اس لحاظ سے اگر یسوع مسیح ابن اللہ ہیں تو اس سلسلہ میں تمام اشخاص کو یہی فخر حاصل ہے۔

الغرض سب انصاف پسند طبیعتوں نے بخوبی معلوم کرلیا ہے کہ صرف آنحضرت صلعم کے حالات زندگی مفصل و مکمل معلوم ہیں اور اس کے برخلاف دیگر بانیان مذہب کا صرف نام ہی نام ہے اور یہ کہ وہ دائرۂ انسانیت سے خارج ہیں۔ ؎

کچھ ہوئی آدمیت اگر ہوتے آدمی
یہ حور برو تو حور ہوئے یا پری ہوئے

اس لیے طبیعتوں میں نفرت پیدا ہوگئی ہے اور تعلیمیافتہ اشخاص نے اس بندہ پرستی سے کنارہ کرلیا ہے۔ جس میں اُن کے آبا و اجداد ہزار ہا سال سے مبتلا تھے۔

کتب مقدس کا مقابلہ کرتے ہوئے انصاف تقاضا کرتا ہے کہ قرآن شریف کو بہمہ وجوہ ترجیح ہے۔ "وید" اور ہندوؤں کے دیگر شاستر۔ توریت اور انجیل۔ ژند۔ اور دیگر مذہبی الہامی کتابیں ایسی زبانوں میں تحریر ہوئی ہیں جو فی زمانہ مردہ ہیں۔ اور دنیا اُن سے واقف نہیں ہے۔ کیونکہ کسی ملک کے کسی حصہ میں کوئی مقدس زبان بولی نہیں جاتی۔ صرف عربی ہی ایک زندہ زبان ہے اور یہ زندہ مذہب کی بیّن شہادت ہے اور جس مذہب کی مقدس کتاب مردہ زبان میں ہے وہ مذہب بھی مردہ ہے اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ زندہ اور مردہ میں بہت فرق ہے

سنسکرت اور ژند کی زبان میں تو کچھ کلام ہی نہیں۔ کہ یہ زبانیں ہزار ہا سال سے مردہ ہیں۔ توریت کی زبان عبرانی ہے جو اب دنیا کے کسی حصہ میں نہیں بولی جاتی۔ انجیل کی نسبت

عیسائیوں نے صرف اعتراض رفع کرنے کے لیے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ یوحنا نے یونانی میں تحریر کی تھی۔ مگر اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ متی نے عبرانی لکھی تھی۔

ہم فرض کر لیتے ہیں کہ متی۔ لوقا۔ مرقس اور یوحنا نے جو کچھ لکھا یونانی میں لکھا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ خود حضرت یسوع مسیحؑ کس زبان میں کلام فرمایا کرتے تھے۔ چاروں انجیلوں میں صرف ایک دو جملے عبرانی زبان میں ہیں۔ جو حضرت عیسےٰ کا کلام ہیں۔ مثلاً تلیتا قومی (میرے حکم سے اُٹھ) اور "ایلی ایلی لما سبقتانی" (اے خدا۔ اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) یہ حضرت عیسےٰؑ کی زبان تھی۔ اور یہ اُن کے مُونھ کی باتیں ہیں۔ اگر مقدس سوانح نگاروں نے یونانی میں لکھا تو آپ کے اصل عبرانی کلام کا ترجمہ ہی کیا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ وہ اصل عبرانی کلام جو یسوع مسیحؑ کے مُنہ سے نکلا اب دُنیا میں موجود نہیں ہے اور عیسائیوں کے عقاید کے مطابق کبھی قلمبند نہیں ہوُا۔

توریت و انجیل و وید اور شاستر اور ژند محفوظ کتابیں نہیں ہیں۔ ان کے برخلاف قرآن شریف کی حفاظت کا شروع سے انتظام کیا گیا۔ قرآن شریف کی بعض آیات اس دعوے کی شہادتؑ دیتی ہیں اور اس حفاظت کا بقیہ فی زمانہ لاکھوں حافظ موجود ہیں

سلہ "رسول من اللہ یتلو صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمہ۔"

(خدا کا رسول پاک صحیفے پڑھتا ہے اور جن میں معقول احکام ہیں)

"وکتاب مسطور فی رق منشور۔"

لیکن کسی دیگر مقدس کتاب کا حافظ نہ پہلے کسی زمانہ میں تھا اور نہ اب ہے۔ یہ الہامی کلام جس طرح آنحضرت صلعم کے مُنہ سے نکلا۔ اس طرح اب موجود ہے۔ ایک زیر یا زبر یا نقطہ کا بھی فرق نہیں۔ کیا کوئی اور مقدس کتاب ایسا دعوے کر سکتی ہے ؟۔ دُنیا میں قرآن شریف کے مقابلہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی صحت کی ہم قسم کھا سکتے ہیں کتابت میں عموماً غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ اور ہمارے پاس دیگر کتب مقدس کی جو نقلیں موجود ہیں اُن کی صحت کی تصدیق کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ ایسی غیر محفوظ کتابوں میں تحریف کو بہت کچھ گنجائش ہے

(اور ہم شہادت میں اس کتاب کو پیش کرتے ہیں جو کھلے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی ہے ؛

"انها تذكرة فمن شاء ذكره في صحف مكرمة مرفوعة مطهرة بايدي سفرة كرام بررة"

(قرآن مجید نصیحت نامہ ہے۔ سو جس کا جی چاہے اُس کو پڑھے۔ وہ ایسے صحیفوں میں لکھا ہُوا ہے جو محترم ہیں۔ بلند پایہ ہیں۔ پاک ہیں۔ اور ایسے کاتبوں کے ہاتھ میں ہیں جو بزرگ اور نیک کردار ہیں)

"انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون"

(ہم نے قرآن برحق نازل کیا اور ہم اس کے محافظ ہیں)

"انه لقرآن كريم في كتاب مكنون لا يمسه الا المطهرون"

(وہ بزرگ قرآن ہے۔ محفوظ کتاب میں ہے۔ اُن کو صرف مقدس لوگ چھونے پاتے ہیں)

"انا علينا جمعه وقرآنه" (ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا اور اُس کا پڑھ سنانا)

قرآن شریف شروع سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ لیکن دیگر کتب مقدس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف اشخاص کا اپنا کلام ہے۔ مثلاً انجیل میں متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنا ان واقعات کا تذکرہ اپنے اپنے الفاظ میں کرتے ہیں جو یسوع مسیح کو پیش آئے اور ان واقعات کی تعبیر اپنے اپنے خیال کے مطابق کرتے ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ چونکہ یسوع مسیح جامۂ انسانی میں خود خدا تھے۔ اس لیے آپکو ضرورت نہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہوتا۔ جو کچھ آپ نے فرمایا وہی کلام الہٰی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ تینتیس سال کیا وعظ و نصیحت اور کیا تعلیم عوام الناس یا شاگردوں کو فرماتے رہے؟ اس کے جواب میں مقدس سوانح نگاروں نے چند مثالیں نقل کر دی ہیں۔ سر۔ آر۔ کے۔ ونس۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ایم۔ اپنی کتاب ڈائجسٹ آف اینگلو محمڈن لاء کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "ہندوؤں کے قانون کا ماخذ شاستر ہیں۔ جو ویدوں کی تفسیر اور شرح ہیں۔ شاستروں اور ویدوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آسمانی اور الہامی کتابیں ہیں۔ لیکن کسی نے اس امر کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کب اور کن پر یہ وسیع متضاد طومار نازل ہوا۔ عیسائیوں کے پاس بھی مقدس بائیبل ہے۔ جس کا ابتدائی حصہ تو یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے۔ اور آخری حصہ صرف عیسائیوں کا حصہ ہے۔ یہودیوں اور مسلمانوں کی طرح انکا بھی ایک واحد تواریخی شخص ہے۔ جس کی تقدیس وہ بلحاظ بانی مذہب کرتے ہیں۔ لیکن نیا عہد نامہ (اناجیل اربعہ) ... قرآن کی طرح خود بانی مذہب نے نہیں لکھا۔ بلکہ مختلف شاگردوں نے اسکی وفات

سے بہت سال بعد میں تحریر کیا۔ اور یہ شاگرد چونکہ ایک آئینی سلطنت کے محکوم تھے۔ جس کے قوانین پر وہ کسی طرح اپنا اثر نہیں ڈال سکتے تھے اور جس کی تباہی کے وہ قریب زمانہ مستقبل میں مسیحؑ کی آمد ثانی پر منتظر تھے۔ اس لیے وہ دیوانی اور فوجداری قوانین سے بالکل بے تعلق ہے مقدس سوانح نگاروں نے کسی اور خیال سے مسیحؑ کے اقوال و افعال کا جو عملاً آنجناب کی مختصر عمر کے آخری دو سالوں میں محدود ہے اور جس میں آپ کو کبھی دنیاوی بادشاہت کا موقع نہیں ملا۔ تذکرہ چند اوراق میں کیا۔ اس لیے نتیجہ یہ ہے۔ کہ عیسائیت نے کوئی قانون وضع نہیں کیا

* *

مسیحؑ نے تقسیم وراثت کا جھگڑا فیصل کرنے سے صاف انکار کیا۔ اور نہایت ہوشیاری سے ایک زانیہ عورت کے متعلق مروجہ قانون کے مطابق سزا کے سوال کو ٹال دیا۔ لیکن اس کے برخلاف محمدؐ نے ان تمام مسائل کے متعلق صریح الہامی احکام صادر کیے یا سرانجام کیے۔ ونس نے بالکل صحیح لکھا ہے۔ کہ عیسائی عدالتوں کا دستور العمل کسی زمانہ میں بائیبل نہیں رہی۔ اس وقت جبکہ پوپ کی عظمت سمت الراس پر تھی۔ یہ نیم مقدس قانون کل میں اتنا بھی جزو نہ تھا جتنا کہ رومی اور جرمنی کے قوانین کا حصہ تھا۔ اور اس بات کا تذکرہ تو درکنار کہ اس کا ایک حصہ ان قوانین سے اخذ کیا گیا تھا جو قبل از مسیحؑ مروج تھے۔ موجودہ انگلستان میں سلطنت کا نظم ونسق نہ تو رومی قوانین اور نہ موسوی شریعت پر ہے اور نہ بالخصوص عیسائی عقاید پر مبنی ہے۔ بلکہ بلحاظ ضرورت وقت اور احساس قوانین وضع ہوتے ہیں۔ اور ان کے مطابق ترمیم و تنسیخ ہوتی ہے

"مین" صاحب "ہندو لاز" دھرم شاستر کے دیباچہ اور "سمرتی" کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ :۔

دانایان ہند اور مفسترین منو کے دھرم شاستر کو قدیم الایام سے اعلیٰ مستند کتاب سمجھتے ہیں۔ لیکن جب کبھی موقع ملا اس رائے کو مسترد کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا۔ منو کی ہستی جیسا کہ "سمرتی" خود شاہد ہے۔ موہومہ ہے۔ اس کے متعلق اس طرح لکھا ہے کہ "رشی" منو کے حضور استدعا کرتے ہیں کہ مقدس قوانین سے مطلع فرمائیے۔ منو اوّل اپنی پیدائش کا تذکرہ کرتا ہے۔ کہ برہما سے پیدا ہوا۔ اور پھر دُنیا کی پیدائش کا حال بتاتا ہے۔ اس کے بعد بیان کرتا ہے کہ دھرم شاستر مجھے برہما سے ملا۔ یہی مقدس قانون منو دس رشیوں کو تعلیم کرتا ہے۔ جو بظاہر اسے فراموش کر چکے تھے۔ ان میں سے ایک "بھرگو" نامی کو بذاتہ براہ راست بتاتا ہے۔ اور بھرگو باقی نو کو تعلیم دیتا ہے۔

"مین" صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "ہندو دھرم شاستر کے مطالع میں سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ تواریخ کا علم ہندوؤں میں معدوم ہے وہ "جگوں" کا حساب لگاتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ مقدس رشیوں کی نسبت معلوم ہو کہ کب ہوئے۔ بلکہ سوال ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کبھی تھے ؟ "روایتوں کی وقعت کچھ نہیں۔ جبکہ ان کے ماخذ جھوٹے فسانے ہوں"۔ "مین" صاحب نے سخت کوشش کی ہے کہ کسی طرح منو سمرتی کی تاریخ معلوم ہو۔ لیکن یہ امر ناممکن تھا۔ پہلے اس سوال کا تصفیہ ضروری ہے کہ موجودہ منو سمرتی سب سے پُرانی ہے یا دیگر منوں سمرتیاں جو بلا شک و شبہہ کبھی موجود تھیں۔ "نارد" دیباچہ میں لکھا ہے کہ ابتدا

میں منو سمرتی ہزار فصلوں میں تحریر ہوئی۔ جس میں ایک لاکھ شلوک تھے۔ نارد نے کاٹ چھانٹ کے بعد بارہ ہزار شلوک نقل کیے۔ سوماتی نے ان کا بھی اختصار کیا اور صرف چار ہزار شلوک لکھے۔ لیکن موجودہ سمرتی میں صرف دو ہزار چھ سو کے قریب شلوک ہیں۔" ہندوؤں کی اور مقدس کتابیں بھی ہیں۔ جن میں منو سمرتی کے شلوک جا بجا نقل کیے گئے ہیں۔ اور بعض کتابوں کا حوالہ منو سمرتی میں ہے۔ مثلاً موجودہ "منو" میں "وششٹ" کا اقتباس کیا گیا ہے۔ جو وششٹ میں موجود ہے۔ مگر وششٹ میں منو کے چار شلوک نقل کیے گئے ہیں۔ دو کا پتہ تو موجودہ منو میں ملتا ہے۔ لیکن دو موجود نہیں۔ مؤخر الذکر میں سے ایک ایسے بحر میں منظوم ہے۔ جس میں موجودہ منو کا ایک شلوک بھی نہیں۔ بظاہر اس کی اور کچھ وجہ نہیں۔ کہ اس منو میں جس کا اقتباس وششٹ کرتا ہے۔ اور اس منو میں جس میں وششٹ کا اقتباس کیا گیا ہے۔ بہت عرصہ گذرا ؟ ورنہ اس کا پتہ لگانا ناممکن ہوگا۔ کہ منو پہلے گذرا ہے یا وششٹ۔ یا دونوں ہمعصر تھے۔ اس امر کا مزید ثبوت کہ موجودہ منو سے پیشتر اور منو سمرتیاں بھی تھیں یہ بھی ہے کہ "بدرایانا" منو کا اقتباس کرتا ہے۔ لیکن موجودہ منو سمرتی میں بالکل اس کے متضاد موجود ہے (۹-۸۹) نیز ایسی کتابوں میں جو چھٹی صدی عیسوی میں تحریر ہوئیں۔ منو کے شلوک نقل کیے گئے ہیں۔ لیکن موجودہ منوں میں ان کا کوئی جزو ملتا ہے۔ یہ تو بیرونی شہادت کا نتیجہ ہے کہ یا تو "منو" کا اکثر حصہ معدوم ہو چکا ہے۔ اور موجودہ منو میں تحریف کی گئی ہے۔ یا دیگر مقدس کتابیں سرتاپا غلط ہیں

اور اُن کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں۔ موجودہ منوسمرتی خود شاہد ہے کہ وہ ایک محفوظ کتاب نہیں۔ مثلاً اِس کتاب میں گوشت خوری اور عورت کا نکاح ثانی جائز قرار دیا ہے اور اس کے برخلاف احکام بھی ہیں۔ (منو ۴۔ ۲۵۰۔ ۵۔ ۷۔ ۹۔ ۵۶۔۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۹۔ ۶۵) بلکہ مرد کے دوبارہ نکاح کی نسبت حکم ہے کہ پہلی عورت کی زندگی میں جائز نہیں۔ لیکن ایسے احکام بھی ہیں جن کے رو سے صریحاً دوسری شادی کا جواز تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس کے متعلق قواعد اور ضابطے باندھ رکھے ہیں۔ (”مین“۔ ”ہندو لا“)

قرآن و توریت۔ انجیل۔ ژند۔ وید۔ اور ہندوؤں کے دیگر شاستروں کی نسبت جو کچھ ہم نے بالاختصار لکھا ہے اہم نتائج اخذ کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن مناسب ہے کہ ہم کسی ایک مسئلہ کو مدِ نظر رکھ کر ان مقدس کتب کی تعلیم اور اُس کے اثر پر بحث کریں۔ ہم ”تعدد ازدواج“ کا انتخاب اِس لیے کرتے ہیں کہ ہندوؤں کو اِس مسئلہ پر بڑا ناز ہے۔ اور مخالفین اسلام اِس مسئلہ کے ضمن میں آنحضرت پر بہت کچھ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اِس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ہم ضمناً نکاح اور طلاق کے مسائل پر تنقیدی نظر کریں گے۔ ہم نے دیدہ و دانستہ ایسے مسائل کو منتخب کیا ہے۔ جس کی نسبت مخالفین اسلام کی متفقہ رائے اسلام کے برخلاف ہے۔ وہ بار بار ان مسائل کے ضمن میں اسلام کے تعلیمی نقص اور عیوب بیان کرتے ہیں۔ ہم نے ارادتاً اُن امور کا تذکرہ بالتفصیل نہیں کیا اور نہ ایسے مسائل کتب مقدس کی تعلیم اور اُس کے اثر کے واسطے بغرض بحث منتخب کیے۔ جن کے جواب میں مخالفین بالکل

خاموش ہیں۔ مسئلہ "تثلیث" پر بالخصوص ہم اس لیے بحث کرتے ہیں کہ اس کے ضمن میں آنحضرت صلعم کے ایک صحابی زیدؓ کے حالات بیان کرینگے۔ ہم صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم اور دیگر صحابہ کرام کا اس واسطے تذکرہ نہیں کرتے کہ ایک انصاف پسند عیسائی نے لکھا ہے کہ "ہم یسوع مسیحؑ کے شاگردوں کا مقابلہ محمدؐ کے اصحابؓ سے کرتے ہوئے شرمندہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے صرف تیس روپے لے کر آنجنابؑ کو دشمنوں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اور پطرس نے جو سب سے زیادہ ممتاز تھے گرفتاری کے بعد علی الاعلان آپ پر لعنت کی اور آپکا انکار کیا۔ اور باقی شاگرد سب بھاگ گئے۔ لیکن محمدؐ کے اصحاب میں ایک بھی ایسی مثال نہیں" مقدس کتب کی تعلیم کا اثر ایسی مثالوں سے بخوبی واضح ہوتا ہے ہم نے ارادتاً زیدؓ کو منتخب کیا ہے اور دیدہ و دانستہ ایسی وضع اختیار کی ہے۔ جو مخالفین کے خیال میں نسبتاً کمزور ہے۔ اور یہ وضع ہم نے اس لیئے اختیار کی ہے۔ کہ مخالفین کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ "قلم در کف دشمن است"۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں حضرت زید کا نسب اس طرح لکھا ہے کہ زید ابن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبد العزیٰ بن امری القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید لات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ" زید کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ بن عبد عامر بن افلت خاندان بنی معن قبیلہ طے سے تھی۔ زیدؓ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ والدہ ان کو ساتھ لے کر اپنے خاندان بنی معن سے ملنے کے لیئے گئی۔ راستہ میں "بنو قین" کے کچھ سواروں نے ڈاکہ مارا

اور زید کو پکڑ کر بازار "عکاظ" میں لے آئے۔ حکیم بن حزام نے زید کو اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے لیے چار سو درہم پر خرید لیا۔ حضرت خدیجہؓ آنحضرت صلعم کی زوجہ تھیں۔ آنحضرت صلعم کو دے دیا۔ اسوقت تک آنحضرت صلعم نے دعوئے نبوت نہ کیا تھا۔ زیدؓ کو آزاد کر دیا اور اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ زید کی فرقت میں آپ کے والد کا وہی حال تھا جو حضرت یعقوبؑ کا یوسفؑ کی جدائی میں ہوا۔ حضرت یوسفؑ کی طرح زیدؓ تو آرام میں بسر کرنے لگے۔ لیکن حضرت یعقوبؑ کی طرح زید کے والد سخت بیقرار تھے۔ رات دن گریہ وزاری سے کام تھا۔ کچھ عرصہ تو اِدھر اُدھر تلاش کی کہیں پتہ نہ چلا۔ نور دیدہ کے فراق میں اکثر اشعار کہتے جن میں سے یہ مشہور ہیں ؎

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل + احی یرجی ام اتی دونہ الاجل

زید کے لیے رو رہا ہوں۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ زید کو کیا پیش آیا۔ آیا وہ زندہ ہے کہ پھر ملنے کی امید ہو۔ یا اسے موت آگئی۔

فواللہ ما ادری وان کنت سائلا + اغالک سہل العوض ام غالک الجبل

خدا کی قسم مجھے پتہ نہ ملا۔ اگرچہ میں نے ہر ایک سے دریافت کیا۔ تجھے ہموار زمین کھا گئی۔ یا کسی پہاڑ کے اوجھل ہو گیا۔

فیالیت شعری ہل لک الدہر رجعۃ + فحسبی من الدنیا رجوعک لی علل

اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا۔ کہ تو دنیا میں کبھی میری طرف واپس لوٹیگا۔ دنیا میں دل بہلانے کے لیے تیری واپسی کی امید کافی ہے۔

تذکرینہ الشمس عند طلوعہا + ویعرض ذکراہ اذا قارب الطفل

جب سورج نکلتا ہے میں زید کو یاد کرتا ہوں۔ اور جب چھپ جاتا ہے تو میں اُسی کا

ذکر کرتا ہوں۔

وان ھبت الارواح ھیجن ذکرہ ✦ فیا طول ما حزنی علیہ ویا وجل

جب ہوائیں چلتی ہیں تو اُس کی یاد تازہ ہے۔ میرا رنج وغم اسکی یاد میں بہت طول پکڑ گیا۔

ساعمل نص العیش فی الارض جاھدا ✦ ولا اسام التطواف او تسام الابل

میں اسی غم میں اپنی زندگی کے دن بسر کروں گا۔ اور چکر لگانے سے باز نہ رہوں گا۔ اگرچہ اونٹ تھک جائے۔

حیاتی او تاتی علی منیتی ✦ او کل امرئ فان وان غرہ الامل

یہاں تک کہ مجھے موت آجائے اور ہر ایک شخص مرنے والا ہے گو آرزوئیں اسے فریب دیں۔

ساوصی بہ قیسا وعمرا کلاھما ✦ واوصی یزید اثم من بعد جبل

میں زید کی تلاش کی وصیت قیس اور عمر دونوں کو کر جاؤں گا۔ اور یزید اُس کے بعد جبل کو بھی یہی وصیت کرونگا۔

کچھ عرصہ اسی طرح گذر گیا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ قبیلہ کلب کے حج بیت اللہ کے لیے مکے میں آئے۔ اور اس جگہ زید سے ملاقات ہوئی والد کی بیقراری اور آہ وزاری کا حال بیان کیا۔ اور یہ اشعار بھی سنائے۔ زید کا دل بھی بھر آیا۔ جواب میں چند شعر لکھے۔

احن الی قومی وان کنت نائیا ✦ فانی قعید البیت عند المشاعر

میں اپنی قوم سے دور افتادہ روتا ہوں۔ اور کعبہ کے قریب ایک گھر میں رہتا ہوں۔

فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم ✦ ولا تعلوا فی الارض اض الا باعر

لہذا تم لوگ اس غم سے جس نے تمہیں زخمی کر دیا ہے باز آؤ۔ اور اونٹ کی طرح محنت و مشقت نہ اٹھاؤ۔

فانی بحمد الله فی خیر اسرۃ + کرام معد کابرا بعد کابر

خدا کا شکر ہے کہ میں قید ہو کر اچھے گھرانے میں آیا۔ یعنی معد کے گھرانے میں۔ جہاں عظمت و کرم موروثی ہے۔

زیدؓ کا یہ منظوم پیغام لوگوں نے اس کے والد کو پہونچا دیا۔ اور مقام رہائش اور آنحضرت صلعم کا پتہ بتایا۔ زیدؓ کے والد اور چچا زرفدیہ لیکر مکے میں آنحضرت صلعم کیخدمت میں آئے اور کہا کہ "عبد المطلب کے صاحبزادے اے ہاشم کے بیٹے۔ اے سید القوم کے لڑکے ہم آپ کے پاس اپنے بیٹے زیدؓ کے واسطے آئے ہیں۔ آپ زرفدیہ لیکر اُسے آزاد فرمائیں اور ہم پر احسان کریں"۔ آپ نے فرمایا کہ "اگر زیدؓ تمہیں پسند کرتا ہے تو وہ آزاد اور مختار ہے۔ اسے لے جاؤ۔ اور اگر وہ میرے پاس رہنا چاہتا ہے تو بخدا میں وہ شخص نہیں ہوں۔ کہ جو مجھے پسند کرے۔ میں اُس کے خلاف مرضی کسی کو اختیار دوں"۔ دونوں نے جواب دیا۔ کہ آپ نے ہم پر نصف احسان پہلے ہی کر دیا"۔ اس کے بعد زید کو بلوایا اور اُس سے دریافت کیا۔ باپ اور چچا کے ہمراہ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا "میں اُن کے ساتھ نہ جاؤں گا"۔ آپ ہی میرے باپ اور چچا ہیں اور نہ میں ایسا شخص ہوں کہ آپ پر کسی کو ترجیح دے کر پسند کروں"۔ زید کے والد اور چچا نے کہا "زید تیرا برا ہو۔ کیا تو غلامی کو آزادی پر اور غیروں کو لواحقین پر ترجیح دیتا ہے"؟ جواب دیا "ہاں۔ میں نے آپ میں ایسی باتیں دیکھی ہیں کہ کسی اور شخص کو آپ پر ترجیح نہ دونگا۔ اس گفتگو کے

بعد آنحضرت صلعم زید اور اُس کے والد اور چچا کو مقام حجر تک لے گئے۔ اور با آواز بلند فرمایا۔ کہ اے حاضرین تم لوگ گواہ رہو کہ زید میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث ہوگا اور میں اُس کا وارث ہونگا۔ زید کے والد اور چچا نے جب یہ حال دیکھا تو اُن کے دل خوش ہوگئے۔ اور خوشی خوشی گھر کو واپس لوٹے۔

جب آنحضرتؐ نے اظہار نبوت کیا۔ تو سب سے پہلے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اُن میں سے زیدؓ بھی ہیں۔ وہ ہمیشہ رسول اللہ کی خدمت میں رہتے اور ایک لمحے کے لیے بھی جدا ہونا پسند نہ کرتے تھے اور یہی کیفیت اُن اصحاب کی بھی تھی کہ جو ایک دفعہ آپ کی صحبت میں بیٹھتے۔ پھر کسی اور جگہ جانے کا نام نہ لیتے تھے۔ اس لیئے کفار مکہ نے یہ مشہور کر رکھا تھا۔ کہ محمدؐ جادوگر ہیں اور لوگوں کو اس لیئے آپکے پاس جانے سے منع کرتے تھے کہ پھر ان کے واپس لوٹنے کی امید منقطع ہو جاتی تھی۔ مقدس سوانح نگاروں نے صاف صاف الفاظ میں حضرت یسوع مسیحؑ کے شاگردوں کی نسبت لکھا ہے کہ جب آنجناب نے یہودیوں اور ان کے آبا و اجداد کو کوسنا شروع کیا کہ "تمہارے باپ دادوں نے بیابان میں مَن کھایا اور مر گئے" تو اکثر شاگردوں نے کہا کہ "یہ سخت کلام نہایت ناگوار ہے۔ بھلا ایسے ٹھنڈے دل سے کون سُن سکتا ہے" اس کے بعد یسوعؑ سے پھر گئے۔ صرف بارہ باقی رہ گئے۔ (یوحنا باب ۶ آیت ۵۰ سے ۶۷ تک) لیکن جب آپ دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے تو ایک شاگرد نے بھی ساتھ نہ دیا۔ خود پکڑوایا۔ آپکا انکار کیا۔ اور بھاگ گئے۔ تعجب ہے کہ ان لوگوں پر آپ کی تعلیم کا کیا اثر ہوا تھا۔ اسعد

معجزات جو آپ کی الوہیت کی زبردست دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔
اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تو کیا مفید ہو سکتے ہیں۔ جبکہ اُن کا اثر ایسا
اُلٹا پڑا۔ مسیحؑ نے بیماروں کو شفا دی۔ بدروحوں کو نکالا۔ مردوں کو زندہ
کیا۔ لیکن اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ لیکن آنحضرت صلعم کا جب ایک
دفعہ کسی نے کلمہ پڑھا تو پھر غیر کا ذکر زبان پر نہ آیا۔ زیدؓ ہی کی طرف دیکھو
لواحقین جن کی محبت اس کے دل میں تھی ایک عرصہ دراز کے بعد اسے
ملتے ہیں۔ لیکن وہ آنحضرت صلعم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ وہ غلامی کو آزادی پر
ترجیح دیتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہنا چاہتا ہے۔ اگر زیدؓ
گھر سے لڑ کر نکلتے یا اپنے رشتہ داروں سے کسی اور وجہ سے نفرت ہوتی
اور پھر واپس جانا پسند نہ کرتے تو اور بات تھی۔ باپ زید کو یوسف گم گشتہ
سمجھتا ہے اور زیدؓ کے دل میں بھی مہر فرزندی موجود ہے۔ بایں ہمہ وہ
آنحضرتؐ کی ملازمت ترک نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ آپ کے اخلاق حسنہ کا
اثر تھا۔ اور آپ کے "خلق عظیم" کا کلام اللہ بھی شاہد ہے۔ اس کے مقابلہ
میں ان تمام معجزات کی بھی کچھ وقعت نہیں۔ جنکا اثر جیسا کہ توریت اور
انجیل میں مذکور ہے کچھ بھی نہیں۔ بلکہ سوال ہو سکتا ہے۔ کیا وہ معجزات
جو یسوع مسیحؑ سے منسوب کیے جاتے ہیں فی الحقیقت سچے واقعات ہیں؟
ہم معجزات پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن جو کچھ ان کا اثر بنی اسرائیل
پر ہوا اُس کا نتیجہ کچھ قابل فخر نہیں۔ سخت حیرت ہے کہ اُس زمانہ میں
جب ان معجزات کا ظہور ہوا مخالفین تو ایک طرف معتقدین نے کوئی
ثبوت عملاً ان کی تائید میں نہیں دیا۔ اور فی زمانہ صدہا سال کے بعد
یہی معجزات اس دعوے کی شہادت ہیں کہ یسوع مسیحؑ الوہیت مجسم ہیں۔

اگر آنحضرت صلعم کی نسبت اِس قسم کے معجزات کا صادر ہونا بیان کیا جائے تو انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ انصافاً تسلیم کرنا چاہیے کیونکہ آپ کے اصحاب نے آپ کی متابعت میں عزیز و اقارب سے مُنہ موڑا وطن کو چھوڑا۔ اور ہر ایک قسم کی تکلیف برداشت کی۔ اور کبھی آپکا انکار نہیں کیا۔ ہر ایک چیز آپ پر قربان کردی اور اپنی ہستی کو بھی فنا کر دیا۔ لیکن آپکو نہ چھوڑا۔ ان کا ایمان نہایت قوی تھا اور آپ کی رسالت پر کامل یقین تھا اور آپ کی زندگی میں تمام مخالف مسلمان ہو گئے۔ اور منکر ہلاک ہوگئے۔

زیدؓ کے متعلق ہم اُن واقعات کو مفصّل بیان کرنا نہیں چاہتے جو اسلام لانے کے بعد ظہور میں آئے۔ مختصر یہ ہے کہ ابتدا میں رسول اللہ کی رفاقت میں ہر ایک مصیبت برداشت کی۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ فتح کا مژدہ اہل مدینہ کو سب سے پہلے آپ نے سنایا۔ وہ لڑائیاں جن میں رسول خدا بذاتہٖ شریک نہیں ہوئے "سریہ" کہلاتے ہیں۔ زیدؓ کی شرکت ہر ایک سریہ میں بحیثیت سپہ سالار تھی۔ البتہ جس میں زیدؓ شریک نہیں ہوئے۔ دوسرے اصحاب سردار لشکر ہوتے۔ آنحضرت صلعم نے زیدؓ اور عم مکرم حضرت حمزہ رضؓ سید الشہداء کے درمیان "مواخاۃ"۔ یعنی بھائی چارہ قائم کر دیا تھا۔ زید کی ابتدائی حالت پر غور کرو۔ جب بازار عکاظ میں فروخت ہوئے۔ اور اس رتبہ اور عزت کی طرف دیکھو کہ عالی نسب آزاد اصحاب کے ہمسر ہیں بلکہ ان میں بھی ممتاز ہیں۔ غلامی کا الزام مخالفین اسلام پر عاید کرتے ہیں کہ جائز رکھا۔ لیکن اس کا جواب کچھ نہیں دیتے کہ کیا ایسے اشخاص پر "غلام" کا اطلاق ہو سکتا ہے؟۔ اور "غلام" اور لفظ غلام کا یہی کچھ مفہوم ہے۔ جیسا کہ زیدؓ کے حالات سے واضح ہوتا ہے؟۔ غلامی نہ تو اسلام کی تعلیم ہے اور نہ اسلام

نے اسے جائز رکھا ہے۔ لیکن اِس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ مسلمان ہمیشہ غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے خرید کرتے رہے۔ اِن کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے متکفل ہوئے۔ ان کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کیا۔ اور وہ ان کی جائداد اور سلطنت کے وارث ہوئے۔ خلفائے بغداد اور مصر کے غلام سلطان بنے۔ خاندان غزنی اور خاندان غلامان کے حالات ہندوستان کی تاریخ میں بدیہی ثبوت اس دعوے کا ہیں کہ اسلام نے غلاموں سے کیا نیک سلوک کی تعلیم دی اور سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ عزت اور عظمت دُنیا نے مسلمان غلاموں کی تسلیم کی وہ غیر مذاہب کے آزاد اشخاص کو کم نصیب ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے پیشتر دنیا میں ہر ایک جگہ غلامی کا بازار گرم تھا۔ قرآن شریف کی اُن آیات سے جو غلاموں کے متعلق ہیں واضح ہوتا ہے کہ "اسلام" نے غلاموں کی آزادی کی مناسب تدبیر کی۔ ضرورت نہیں کہ ہم اس پر مفصل بحث کریں۔ سرسید احمد مرحوم نے اپنے رسالہ تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام" اور مولوی چراغ علی مغفور نے" اسلام کی دنیوی برکتیں" میں اس مسئلہ پر محققانہ بحث کی ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں ہے کہ ہر ایک شخص فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے۔ اور کبھی کسی بندہ کی بندگی پسند نہیں کرتا۔ مگر احتیاج نے رفتہ رفتہ غلامی کی مذموم رسم کو رواج دیا۔ اور غلاموں کی خرید و فروخت باقاعدہ تجارت بن گئی۔ موجودہ مہذب زمانہ میں حسن معاشرت نے غلام کا نام "خدمتگار" رکھا۔ اسلام نے اگرچہ اس کا کوئی خاص نام وضع نہیں کیا۔ لیکن اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ موجودہ خدمتگاروں سے مسلمان غلاموں کی حالت بدرجہا بہتر تھی۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ کسی آئندہ ترقی کے زمانہ

میں خدمت گاروں کو اس سے بڑھ کر حقوق حاصل نہیں ہو سکتے۔ جو مسلمانوں نے اپنے غلاموں کو عملاً دئے۔

محققین کی بالاتفاق رائے یہی ہے کہ غلامی کی بنیاد جنگ نے ڈالی اسیران جنگ فتح مند قوم کے غلام بنائے جاتے یا قتل کئے جاتے۔ قرآن شریف کا ناطق فیصلہ اس کے متعلق یہ ہے۔ "فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منًّا بعد واما فداءً حتیٰ تضع الحرب اوزارھا ذٰلک" (سورہ محمدؐ) یعنی کفار سے جب تمہاری مٹھ بھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ انکا زور ٹوٹ جائے۔ اور پھر ان کی مشکیں کس لو اس کے بعد یا تو فدیہ[1] لیکر یا احسان رکھ کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ جنگ کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ہمارا حکم ہے۔ اس کی تعمیل بلفظہ ہونی چاہیئے۔ اس آیت میں اسیران جنگ کی نسبت قطعی حکم دیا گیا ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔ عموماً اسیران جنگ کو لڑائی کے بعد قتل کیا جاتا تھا۔ یا وہ مدت العمر غلامی کی قید میں رہتے۔ ممکن ہے کہ معاوضہ پر آزادی بھی نصیب ہوتی ہو لیکن بعثت سے بیشتر کوئی ایسی مثال موجود نہیں کہ اسیران جنگ بلا معاوضہ رہا کئے گئے ہوں۔ اسلام نے حکماً اسیران جنگ کے قتل کی ممانعت کر دی۔ اگر فدیہ ادا ہو سکے تو اس کے عوض ورنہ احسان رکھ کر رہا کیے جائیں۔ احسان رکھ کر آزاد کرنا اسلام کی تعلیم ہے۔ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں

[1] ہم نے فدیہ ہی ترجمہ کیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ معاوضہ لے کر آزاد کر دو۔ لیکن ہمارا قیاس ہے کہ اس سے اسیران جنگ کا باہمی تبادلہ مراد ہے۔

آیات بالکل صاف صاف الفاظ میں اپنے معانی کا اظہار کر رہی ہیں
کہ اسیران جنگ کسی صورت میں قتل نہیں ہو سکتے اور صرف جنگ کے خاتمہ
تک قید رہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد علماً وہ آزاد ہیں۔ اگر فدیہ ادا نہ کر سکیں
تو انہیں زاد راہ دے کر واپس کر دو۔ تاکہ راستہ میں فقر و فاقہ سے نہ مریں
احسان رکھ کر آزاد کر دینے کے یہی معنے ہیں۔ اس آیت نے ہمیشہ کے لئے
اسیران جنگ کی آزادی کا فیصلہ کر دیا۔ فی زمانہ مہذب دنیا نے اس حکم
کی خوبیوں کو عملاً تسلیم کر لیا ہے۔

غلامی کے متعلق اسلام کی تعلیم کا تذکرہ تو ہم بالاختصار کر چکے ہیں
دیگر مقدس کتب کے احکام پر غور کرنا چاہیئے۔ ہندوستان میں ہندو مذہب
نے "شودروں" کے ساتھ جو کچھ ظلم و ستم روا رکھا وہ تواریخی واقعات ہیں
اور "منو" کا دھرم شاستر اس کا شاہد ہے۔ مورخین کی بالاتفاق یہ رائے
ہے کہ "شودر" ہندوستان کے اصلی باشندے تھے۔ آریوں نے ان پر
حملے کیے۔ مغلوب کیا۔ کچھ تو پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے جنکا
بقیہ بھیل اور گونڈ قومیں اب بھی موجود ہیں۔ جو اسیر ہوئے وہ نہایت
تلخ کامی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ شودروں کے متعلق منو کے دھرم
شاستر میں جو احکام ہیں ان کا منشاء یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نسلاً بعد نسل
ذلیل و خوار رہیں اور کبھی اس قعر مذلت سے سر نہ اٹھائیں۔ جس میں ہندو
مذہب نے انہیں گرایا۔ شودروں کو ایسا حقیر اور ناپاک خیال کیا گیا تھا
کہ اگر کوئی زنار بند ذات کا ہندو ان سے چھو جائے تو خاص خاص
مذہبی رسوم ادا کرنے کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا تھا۔ غالباً کسی ملک
میں غلامی کے مفہوم میں ایسی حقارت اور ذلت نہیں۔ جیسا کہ "شودر"

کا لفظ ظاہر کرتا ہے۔ ہندو مذہب نے اِس ذلیل جماعت کی ایک علیحدہ ذات قرار دی ہے۔ اس پر مفصل بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ تواریخی واقعات ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آخر اس مظلوم فرقہ کی آہ جگرسوز کا اثر ہوا۔ اور موجودہ زمانہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ "ہندو کون ہیں"۔ پیشتر اس کے کہ ہم اس سوال کے جواب میں کچھ لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن واقعات کا بالا ختصار تذکرہ کریں۔ جن سے یہ سوال پیدا ہوا۔

--- موجودہ زمانہ میں مختلف اقوام عالم میں سخت کش مکش جاری ہے اور ہر ایک قوم میدان ترقی میں گوئے سبقت لے جانا چاہتی ہے۔ ہم نے اس مضمون کے شروع میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا مقابلہ دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف اقوام سے آپڑا ہے۔ یعنی ایک ہی وقت میں "عیسائیوں" "ہندوؤں"۔ اور بدھ مذہب کے مقلدین سے سابقہ پڑا ہے اور ہر ایک جگہ اسلام غالب آرہا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ اور دوسری قومیں نسبتاً کم ہوتی جاتی ہیں۔ اِس لیئے قدرتاً ان قوموں کو فکر لاحق ہو رہا ہے کہ اگر یہی حالت قائم رہی۔ تو ایک دن ان کا نام صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیگا۔ حال میں مسٹر مکرجی ایک بنگالی بابو نے مشرقی بنگال کے ہندو اور مسلمانوں کی تعداد پر ایک مضمون واقعات کی بنا پر لکھا ہے۔ اور ہندوؤں کی حالت نزع کا نقشہ دردناک الفاظ میں کھینچا ہے۔ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے بہت کم تھی۔ لیکن بتیس سال کے عرصہ میں مسلمانوں نے نہ صرف اس نمایاں کمی کو پورا کر لیا۔ بلکہ ہندوؤں سے دگنے ہو گئے۔ اور ہندوؤں کی نسبتاً وہی حالت اب ہے جو مسلمانوں

کی بیس سال پیشتر تھی۔ ۱۹۰۹ء میں "پنجاب ہندو کانفرنس" کا پہلا اجلاس لاہور میں ہوا۔ اس کانفرنس میں ہندوؤں کے تمام سر برآوردہ لوگ اس سوال پر غور کر رہے تھے۔ کہ ہندو کس لیئے دن بدن کم ہوتے جاتے ہیں۔ اور مسلمان کیوں روز بروز تعداد میں بڑھ رہے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں روشن دماغ ہندوؤں نے اُن اسباب کا تذکرہ کیا جو اسلام نے مسلمانوں کے لیئے فراہم کیے ہیں۔ مثلاً اسلام بیوگان کے نکاح کا زبردست حامی ہے۔ اور ہندوؤں میں اسکا دستور نہیں۔ ممکن ہے کہ ویدوں یا دیگر شاستروں میں بیوگان کے نکاح کی اجازت ہو۔ اور ایک مُردہ زبان کے الفاظ کو کھینچ تان کر مفید مطلب معانی پیدا کر لینا کچھ مشکل بھی نہیں۔ جبکہ اس زبان کے عالم چند آدمی ہوں۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ تواریخی زمانہ میں کبھی کسی بیوہ کا نکاح نہیں ہوا۔ البتہ موجودہ زمانہ میں صرف مسلمانوں کی تقلید کی گئی ہے۔ فی الحقیقت ان کے مذہب نے انہیں یہ سیدھا راستہ نہیں دکھایا۔ "ستی" کی مذموم رسم اس امر کی شاہد ہے کہ بیوگان سے کیا سلوک ہوتا تھا۔

ہندوؤں میں اشاعت مذہب ممنوع ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو مذہب ذاتوں کے امتیاز کی تعلیم دیتا ہے۔ جس کی پابندی ہر ایک زمانہ میں نہایت سختی سے کی گئی ہے۔ اعلےٰ ذات کے ہندو ادنےٰ ذاتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ غیر اقوام سے رابطہ و اختلاط پیدا کر کے مساوات کو تسلیم کرنا تو مذہباً ناممکن ہے۔ ذاتوں کا امتیاز تناسخ کا نتیجہ ہے جس پر ہندو مذہب قائم ہے۔ یعنی پہلے جنم کی کرم اور کرتوتوں کا

نتیجہ یہ سمجھا گیا ہے کہ ہر ایک شخص عزت اور ذلت۔ دولت اور مسکنت افلاس اور ثروت۔ رنج و راحت پیدائش سے اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس سب کچھ پہلے "جنم" کے باعث ظہور میں آتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہندوؤں نے اپنے مذہب کی مضرتوں کو بخوبی محسوس کر لیا ہے۔ تناسخ اِن کی ترقی میں سدِ راہ ہے۔ اِن کے سامنے اسلام کی اشاعت کا بازار گرم ہے اور ہر ایک شخص خواہ وہ کسی قوم اور کسی حیثیت کا ہو مسلمانوں کا دینی بھائی ہو سکتا ہے۔ اور ہر ایک قسم کا رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ "پنجاب ہندو کانفرنس" میں مسلمانوں کی ترقی کے راز کو اشاعت مذہب نے منکشف کر دیا اور ہندوؤں نے تقلیداً اِس کی ضرورت محسوس کی تعجب ہے کہ وہ نامعقول اعتراض[له] جو اسلام پر عرصہ دراز سے ہو رہا تھا کہ اسلام نے اپنی اشاعت تلوار کے زور سے کی۔ کس لیے نظر انداز کیا گیا۔ "ہندو کانفرنس" نے نہایت عقلمندی سے سمجھ لیا۔ کہ اشاعت مذہب اسوقت تک ناممکن ہے جب تک ذاتوں کا امتیاز قائم ہے یا جب تک ہم ہر ایک قوم کے مساوی حقوق تسلیم نہ کر لیں گے۔ اِس لیے قولاً ذاتوں کے امتیاز کو اُٹھا دیا۔ اور اُس کے ساتھ عملاً تناسخ کا انکار کر دیا۔

یہ واقعات ہیں جن سے اب یہ سوال پیدا ہوا کہ "ہندو کون ہے؟" اس کا آسان اور صحیح جواب تو یہ تھا کہ بلحاظ مذہب ہندو دنیا میں کوئی نہیں۔ لیکن پنجاب ہندو کانفرنس کے ارکان اور کل ہندوستان کے ہندو لیڈروں نے یہ حیرت انگیز جواب دیا ہے۔ کہ "ہر ایک شخص جو

له { تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
یک سر جہاں بگیرد بے منتِ سپاہی } (حافظ رحمۃ اللہ علیہ)

کسی خاص مذہب مثلاً اسلام، یا عیسائیت وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتا ہندو ہے"۔ ہندوستان کے اخباروں میں اس پر مفصل بحث ہوئی۔ اور اس جواب کی نامعقولیت کا اظہار بخوبی کیا گیا۔ لیکن ہندوؤں کو معلوم تھا کہ یہی ایک ذریعہ ہے جو عملاً ان کی تعداد بڑھا سکتا ہے۔ اس لیے ایک نہ سُنی۔ سنہ حال کی مردم شماری میں "چوہڑوں کو بھی ہندوؤں میں شمار کیا گیا ہے۔ جبکہ چوہڑے ہندو برادری میں شامل ہوگئے ہیں۔ تو امید ہو سکتی ہے کہ رفتہ رفتہ وہ مساوی حقوق حاصل کرلیں گے لیکن ہم کسی طرح یقین نہیں کرسکتے۔ کہ ہندو مذہب کی موجودگی میں غلاموں کو کبھی وہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں جو "اسلام" نے عطا کیے ہیں۔

زیدؓ کا نکاح آنحضرتؐ نے ام ایمن سے کیا۔ ان کے بطن سے اسامہؓ پیدا ہوئے۔ رسولؐ خدا کو اسامہؓ سے اس درجہ محبت تھی کہ لوگ انہیں "حُبِ رسولؐ" کہتے تھے۔ اگرچہ ان کا رنگ سیاہ۔ اور ناک چپٹی تھی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں عامل مقرر ہوئے۔ فاروق اعظمؓ نے صحابہؓ کے وظیفے مقرر کیے تو اسامہؓ کا وظیفہ پانچ ہزار مقرر کیا۔ اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کا دو ہزار۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ آپ نے اسامہؓ کو مجھ پر ترجیح دی۔ حالانکہ میں ان کاموں میں شریک ہوا ہوں۔ جن میں اسامہؓ نہیں ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ کہ اسامہؓ رسول خدا صلعم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہؓ کا باپ (زیدؓ) رسول خدا صلعم کو تیرے باپ (عمرؓ) سے زیادہ محبوب تھا"۔ کیا کسی غلام یا غلام کی اولاد کو اس سے زیادہ حقوق کسی مذہب نے عطا کیے ہیں ؟۔

آنحضرت صلعم نے زیدؓ کا دوسرا نکاح اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش سے باندھا۔ لیکن میاں بیوی میں ناموافقت کے باعث طلاق تک نوبت پہونچی۔ اگرچہ آنحضرت صلعم نے زیدؓ کو سمجھایا کہ طلاق نہ دو مگر زیدؓ نے طلاق دے دی۔ اور آنحضرت نے زینب سے خود نکاح کر لیا۔ اِس سوال کا جواب کہ زیدؓ اور زینبؓ میں کس لیے ناموافقت ہوئی؟ اور زیدؓ نے کیوں طلاق دی؟ اور رسول خداؐ نے کس لیے آپ نکاح زینب سے کیا؟ زیادہ غور و فکر کا محتاج نہ تھا۔ کیونکہ قرآن شریف میں اس کا مفصل تذکرہ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض روایتیں جن کے بعض حصوں کی نسبت ہمیں کامل یقین ہے کہ غلط ہیں یا غلط فہمی پر مبنی ہیں عالمگیر شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ اِس لیے موجودہ صورت میں ضرور ہے کہ ہم مذکورہ بالا سوالات کا جواب کسی قدر تفصیل سے دیں۔

روایت یہ ہے کہ زینب ایک عالی خاندان عورت تھی۔ ان کو یہ پسند نہ آیا کہ اِن کا عقد ایک غلام سے باندھا جائے۔ اس لیے ابتدا سے اِس نکاح پر رضامند نہ تھیں۔ مگر رسول اللہ کے اصرار پر طوعاً یا کرہاً نکاح کرنے پر راضی ہوگئیں۔ لیکن اپنے شوہر کو نہایت حقیر سمجھتی تھیں اور ان سے بدزبانی کرتی تھیں۔ اور جو کچھ وہ کہتا تھا اسکو نہیں مانتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ زید نے زینب کی باتوں سے تنگ آکر طلاق دے دی۔ ہماری رائے میں اِس روایت کی بنیاد صرف قیاسات پر ہے۔ زینب کا عالی نسب اور زیدؓ کا غلام ہونا ایسے واقعات ہیں جو مسلمہ ہیں۔ راویوں نے اِن سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میاں بیوی میں بلحاظ حسب و نسب بڑا فرق تھا۔ اس لیے آپس میں ناموافقت

ہو گئی۔ یہ نتیجہ اسی صورت میں معقول اور غالباً صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ زینب کو اپنی عالی نسبی پر ناز تھا اور اس لیے وہ زیدؓ کو حقیر سمجھتی تھیں۔ قرآن شریف میں اس واقعہ کا مفصّل تذکرہ ہے اور کسی آیت سے اشارتاً بھی وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو اس روایت میں بالتصریح بیان کی گئی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف کافی سے زیادہ ثبوت موجود ہے۔

سب سے پہلے ہم اس سوال پر بحث کرتے ہیں کہ کیا آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایک مومن مسلمان مرد یا عورت اپنے حسب نسب پر فخر کیا کرتے تھے اور اس فخر سے کسی دوسرے مسلمان مرد یا عورت کی تحقیر مقصود تھی؟ قرآن شریف کی متعدّد آیات اس سوال کا جواب نفی میں دیتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایام جاہلیت میں ہر ایک شخص اپنے حسب و نسب پر فخر کیا کرتا اور دوسرے قبیلوں کی تحقیر اور تذلیل میں باتیں بنایا کرتا۔ مختلف قبائل میں اکثر خانہ جنگی کی آگ مشتعل رہتی لیکن جب عرب نورِ ہدایت سے معمور ہو گیا۔ تو مسلمان ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتے تھے۔ جاہلیت کی تمام بُرائیاں اُن سے دُور ہو گئیں۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبّت تھی۔ ایک دوسرے کی امداد میں مال و جان سے دریغ نہ کرتا۔ ایام جاہلیت میں بزرگی کا معیار خاندانی وجاہت تھی۔ جیسا کہ اب بھی بت پرست قوموں میں ذاتوں کے امتیاز کے یہی معنے ہیں۔ ایک برہمن اپنے حسب نسب پر اس لیے فخر کرتا ہے کہ وہ برہمن ہے۔ اور دوسری ذاتوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اسلام نے اس کے برخلاف تعلیم دی۔ کہ

عزت اور عظمت موروثی نہیں ہو سکتی۔ اور حسب و نسب کے باعث کوئی شخص ذلیل یا ممتاز نہیں ہو سکتا۔ کسی قبیلہ، کسی ذات، کسی شخص کو کوئی شرف بذاتہ حاصل نہیں ہے۔ وہی شخص زیادہ معزز ہے۔ جو زیادہ نیک عمل کرتا ہے۔ قرآن شریف کی اُن آیات میں صاف صاف الفاظ میں یہی تعلیم ہے:-

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر و الفسوق والعصیان اولئک ھم الرا شدون فضلاً من اللہ و نعمۃ واللہ علیم حکیم ہ و ان طائفتٰن من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیٔ الیٰ امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ہ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ہ یایھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نساءٌ من نساءٍ عسیٰ ان یکن خیراً منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظٰلمون ہ یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ط ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ ط واتقوا اللہ ط ان اللہ تواب رحیم ہ یایھا الناس انا

خلقنکم من ذکرٍ وّ انثیٰ و جعلنکم شعوبا وّ قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ط ان اللہ علیمٌ خبیرٌ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے وہ اوصاف بیان فرمائے ہے جو فی الحقیقت اُن میں موجود تھے۔ اُن کے دل میں ایمان کی محبت تھی اور ایمان کی خوبیوں کو سمجھتے تھے اور اس لیے ایمان کو دل میں جگہ دی تھی۔ کفر اور خودسری اور نافرمانی سے نفرت تھی۔ یہ اصحاب رسول اللہؐ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نیک کردار تھے۔ ایسی صورتیں پیدا ہو جایا کرتی ہیں کہ کسی بات پر تکرار ہو جایا کرتا ہے۔ اِس لیے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ جب ایک فریق دوسرے فریق سے لڑے تو آپس میں صلح و صفائی کرادو اور اگر ایک فریق ظلم کرتا ہے تو ظلم کی سزا دو اور انصاف اور عدل سے ان میں مساوات قائم رکھو تمام مومن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس آیت انما المومنون اخوۃ میں اللہ تعالےٰ نے تمام مومنوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے اور اصحاب رسول اللہؐ ایکدوسرے کو اپنا بھائی ہی سمجھتے تھے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی پر حسب و نسب کے لحاظ سے کیا شرف رکھتا ہے۔ اور اِس حیثیت سے اُسے کیا ترجیح ہو سکتی ہے۔ اِس لیے اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ اگر ایک بھائی دوسرے بھائی سے ناراض ہو تو آپس میں صلح کرا دو اور کوئی مرد یا عورت کسی پر ہنسی نہ اُڑایا کرے۔ اور یہ گمان نہ کرے کہ وہ اِس سے بہتر ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلوں میں کدورت بیٹھ جاتی ہے۔ اور نفاق کا بیج تلخ پھل لاتا ہے۔ جب تمام مسلمان آپس میں

بھائی ہیں تو زیبا نہیں کہ ایسی ایسی باتوں سے ایک دوسرے کو طعن و ملامت کرے۔ اور نہ ایک دوسرے پر نام دھرو۔ ایمان لانے کے بعد ان باتوں سے کنارہ کرو۔ آپس میں بدظنی نہ کرو۔ اور نہ غیبت کرو۔ کون شخص پسند کرے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اوّل تو مردار گوشت کھانا ہی سخت مکروہ ہے۔ دوسرے اپنے مردہ عزیز بھائی کا گوشت کھانا کون پسند کرے گا۔ مُسلمان چونکہ آپس میں بھائی ہیں کِسی بھائی کی عدم موجودگی میں اُس کے متعلق بُری باتوں کا تذکرہ نہایت مذموم فعل ہے۔ یہاں تک تو صرف مُسلمانوں کی نسبت ارشاد ہوُا۔ اور اسلیے ان آیات میں صرف مُسلمان مومن مخاطب ہیں کہ وہ اسلام کے باعث ایک قوم بن گئے۔ اور ایک قبیلہ کے لوگ ہیں اور اس لیے ان میں قدرتاً اتفاق و اتحاد قائم رہنا چاہیئے۔ وہ اسباب جو نااتفاقی اور حسد و عداوت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً حسب و نسب پر فخر جن سے دوسرے خاندان کی تحقیر و تذلیل مقصود ہو۔ بدگوئی۔ بدظنی۔ غیبت۔ اور علیٰ ہذا القیاس یک قلم معدوم کر دیے گئے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مخاطب فرماتا ہے۔ کہ یاایھا الناس۔ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور اس کے بعد تمہاری ذاتیں اور قبیلے مقرر فرمائے۔ مُدعا یہ تھا کہ اس تقسیم سے ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ یہ مطلب نہ تھا۔ کہ تم ذاتوں اور قبیلوں کو عزت اور عظمت کا معیار سمجھو۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہی زیادہ معزز ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اسلام نے اِس حد تک ذاتوں اور قبائل کے امتیاز کو تسلیم کیا ہے۔ کہ یہ قدرتی تقسیم ہے اور اِس کی غرض

یہی ہے کہ تعارف میں آسانی پیدا ہو۔ نہ کہ فخر و مباہات کا موجب ہو۔ جیسا کہ بُت پرست قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ جب تمام انسان ایک ہی مرد اور عورت کی اولاد ہیں۔ تو اس لحاظ سے وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس لیے حسب و نسب پر فخر کرنا سخت جہالت ہے۔ اسکی ہم معنی رسول خدا صلعم کا وہ مشہور خطبہ ہے جو آنحضرت صلعم نے حجتہ الوداع کی تقریب پر فرمایا۔ کہ ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لاٰدم وادم من تراب اکرمکم عند اللہ اتقاکم لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ۔ یعنی اے لوگو تمہارا رب ایک ہے۔ اور تم ایک ہی شخص کی اولاد ہو۔ اور اس شخص یعنی آدمؑ کی اصل مٹی تھی۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر پرہیزگاری کے باعث۔ آدم جو مٹی سے پیدا ہؤا۔ اگر آگ کی طرح سرکشی کرے تو سخت تعجب ہے۔ اس کا شیوہ تو خاکساری ہونا چاہیئے نہ کہ تکبر اور غرور اور حسب و نسب پر بیہودہ فخر۔ اس لحاظ سے ایک انسان کو دوسرے انسان پر مطلق فضیلت نہیں۔ خواہ وہ عرب کا رہنے والا ہو یا عجم کا۔ حسب و نسب پر فخر کرنا سرے سے تقاضا انسانیت نہیں ؟ کیونکہ اس لحاظ سے ہر ایک شخص کی حیثیت یکسان ہے۔ اور مسلمانوں میں بوجہ اسلام مساوات قائم کردی گئی۔ اس لیے اس حیثیت کو اور بھی تقویت حاصل ہو گئی۔ وہ بحیثیت انسان ایک ہی شخص کی اولاد ہیں اور بحیثیت مسلمان ایک ہی مذہب کے تابع ہیں اور آپس میں دینی بھائی ہیں۔

تعجب ہے کہ زیدؓ جو رسول اللہ کی نظروں میں معزز تھے۔ اور

اصحاب کبار میں ممتاز تھے۔ جن کے بیٹے کو حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے پر ترجیح دی۔ اُن کی نسبت یہ قیاس کیا جائے کہ چونکہ وہ ایک غلام تھے۔ اس لیے عالی نسب زینب کی نظروں میں حقیر تھے کیا یہ قیاس نہیں ہو سکتا۔ کہ چونکہ وہ رسول خداؐ کے متبنیٰ تھے۔ اس لیے زینب کی نظروں میں حقیر تھے۔ ہم ان قیاسات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ صرف واقعات پر بحث کرتے ہیں جو کہ قرآن شریف کی آیات بینات سے ثابت ہیں۔

سخت حیرت ہے کہ اس روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ زینب بدزبانی سے پیش آتی تھیں اور زید کو حقیر سمجھتی تھیں۔ حالانکہ عتاب الٰہی کا مورد حضرت زیدؓ ہیں۔" وما کان بمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا ہ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ " یعنی جب اللہ اور اُس کا رسول کسی مومن مرد و عورت کو کوئی حکم کسی کام کے کرنے کا دیں تو اس مرد اور عورت کو اختیار باقی نہیں رہتا کہ اس میں چون و چرا کرے۔ اللہ اور اُسکا رسول کوئی حکم ایسا نہ دینگے اور نہ ایسے حکم کی اُن سے توقع ہو سکتی ہے۔ جو مسلمانوں کی بہتری کے برخلاف ہو۔ بلکہ اس حکم میں مسلمانوں کی بہبودی مدنظر ہو گی۔ اس لیے ایسے حکم کی نافرمانی صریحاً اپنی بہتری کی مخالفت کرنا ہے۔ یہ تو ایک عام ارشاد ہے اگرچہ روئے سخن زیدؓ کی طرف ہے۔ جیساکہ اس آیت کے بعد

فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو کہ جس پر اللہ تعالےٰ نے احسان کیا۔ اور جس پر تونے بھی احسان کیا۔ اس شخص سے توقع ہو سکتی تھی کہ اللہ اور اُسکے رسولؐ کے کسی حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے۔ مگر جب تونے اسے کہا کہ اپنی زوجہ کو مت چھوڑ اور خدا سے ڈر۔ تو کہا نہ مانا۔ یہ عجب بات ہے کہ زینب بدزبان ہو اور اپنے شوہر کو حقیر سمجھے۔ اور بیچارہ شوہر ہی پر اللہ اور اُس کے رسول کی خفگی کا اظہار ہو۔ حالانکہ انصاف تقاضا کرتا ہے کہ اس موقع پر زیدؓ کی دلجوئی کی جاتی اور زینبؓ پر عتاب ہوتا۔ کیونکہ قصور تو سراسر زینبؓ کا تھا۔ زیدؓ مظلوم نے کیا گناہ کیا تھا۔

سورہ الاحزاب کی آیت مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اور رسول خداؐ نے زید پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ اس لیے کچھ شک نہیں کہ زیدؓ قصوروار تھا۔ لیکن قرآن شریف کی کسی آیت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ زینبؓ سے کچھ غلطی یا قصور ہوُا۔ اس لیے یہ روایت کہ زینبؓ عالی نسبی کی وجہ سے زید کو حقیر سمجھتی تھیں اور بدزبانی کرتی تھیں غلط ہے۔ اور محض قیاس ہے اور بلحاظ حالات اصحاب رسول اللہ اور تعلیم اسلام اس قیاس میں ذرا بھی معقولیت نہیں اور ہم یقین نہیں کرتے کہ رسول خدا صلعم نے زینب کا خلاف مرضی فریقین عقد باندھا ہو۔ جب ابتداء ہی میں آنحضرتؐ کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ زینب زید کو پسند نہیں کرتی۔ تو یہ کس طرح یقین ہو سکتا ہے کہ بعد نکاح ان دونوں میں موافقت ہو جائے گی۔ سورۂ نساء میں علت غائی اللہ تعالیٰ اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ "وخلق لکم من انفسکم ازواجاً تسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ

یعنی مرد اور عورت ایک جنس سے ہیں اور اُن کی پیدائش نفسِ واحدۃ سے ہوئی ہے۔ اِس لیے قدرتاً مرد اور عورت میں اُنس ہے اور بحالت زوجیت ایک دوسرے کے باعث چین اور آرام حاصل کرتا ہے۔ اور ان میں محبت اور پیار ہوتا ہے۔ اور اسی سورۃ کی ایک آیت کا یہ جزو ہے محصنین غیر مسافحین۔ یعنی نکاح نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ دائمی تعلقات قائم رکھنے کے لیے ہیں۔ نکاح کی علت غائی تو یہی کچھ ہے۔ لیکن جب ایک عورت کو اپنے حسب و نسب پر ناز ہو۔ اور دوسرے مرد کو غلام سمجھ کر حقیر اور ذلیل خیال کرتی ہے۔ تو ان دونوں میں مودۃ اور رحمت پیدا ہونے کی کون سی صورت ہے۔ بروئے شریعت اسلام کوئی عورت یا مرد خلاف مرضی خود نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ خود شارع سے کب امید ہو سکتی ہے کہ زینب کو زید کے ساتھ نکاح پر مجبور کیا ہو۔ زینب نکاح سے بیشتر زید کے حسب و نسب سے بخوبی واقف تھیں۔ اس لیے اگر بعد نکاح زید رض کو حقیر سمجھتی تھیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ نکاح سے پیشتر بھی انکا یہی خیال تھا۔ اس حالت میں اگر زید رض سے عقد منظور کیا تو بکراہت اور بحالت مجبوری رضامندی ظاہر کی۔ لیکن ہم یقین نہیں کرتے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کبھی ایسا عقد باندھا گیا ہو۔

المختصر زینب رض زید رض کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھ سکتی تھیں اور نہ کبھی سمجھا ورنہ اللہ اور اُس کا رسول زینب پر خفگی کا اظہار فرماتے لیکن معاملہ برعکس ہے کہ زید پر عتاب ہو رہا ہے۔ اس لیے کچھ شک نہیں کہ قصور زید کا تھا۔ اور یہی ناموافقت کا باعث ہوا۔ پیشتر اس کے کہ ہم ناموافقت

کے اسباب پر بحث کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت محولۂ بالا کی پہلی ملحقہ آیات پر غور کریں اور اُن تعلقات کو ظاہر کریں جو معناً ان آیات میں باہمی ہے:۔ ان المسلمین والمسلمٰت والمومنین والمومنٰت والقٰنتین والقٰنتٰت والصٰدقین والصٰدقٰت والصٰبرین والصٰبرات والخٰشعین والخٰشعٰت والمصدقین والمصدقٰت والصٰئمین والصٰئمٰت والحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت والذاکرین اللہ کثیرًا والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرًا عظیمًا ط وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ط ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلٰلًا مبینًا۔ ان آیات میں مرد اور عورت کی تمام خوبیوں کو بالتصریح بیان فرمایا ہے جو مغفرۃ اور اجرِ عظیم کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔

اسلام صرف انہی خوبیوں کو تسلیم کرتا ہے۔ اور یہی عورت یا مرد میں محبوب ہیں اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک مردوں اور عورتوں کا مرتبہ انہی خوبیوں کے لحاظ سے کم و بیش ہے۔ قرآن شریف کی مختلف آیات سے ان خوبیوں کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم اس موقعہ پر اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اِس لیے صرف مطلب پر اکتفا کرتے ہیں۔ مُدعا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ انسان میں ان خوبیوں کو پسند فرماتا ہے۔ اور اِس لیے جو امر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے وہ اہل اللہ کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہونا چاہئیے۔ دنیا اور آخرت میں سرخ روئی اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ جب ان اوصاف سے متصف ہو

اِن آیات کی ماقبل آیات سے مزید تائید ہوتی ہے: "یاایھا النبی قل لاازواجك ان کنتن تردن الحیواۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحًا جمیلا ٥ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرًا عظیما ٥ یعنی اے نبی اپنی بیبیوں سے کہدو کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اُس کے سازو سامان کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رُخصت کردوں۔ اور اگر تم خدا اور اُسکے رسول اور عاقبت کی خواہاں ہو تو جو تم سے نیکوکار ہیں اُن کے لیے اللہ تعالےٰ کے ہاں اجر عظیم ہے۔ دنیاوی زندگی اور دنیاوی زینت کی تفسیر قرآن شریف کی دیگر آیات سے بآسانی ہوسکتی ہے۔ مولانا روم نے انھی آیات کو مدنظر رکھ کر لکھا ہے کہ ؎

چیست دنیا از خدا غافل شدن ۔ نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

اگرچہ اس شعر میں ان آیات کا مفہوم اچھی طرح ظاہر نہیں کیا گیا لیکن مولانا روم کا مطلب یہ ہے کہ مال و دولت و فرزند وزن وغیرہ دنیاوی زندگی کے سازوسامان ہیں۔ لیکن بذاتہ یہ اسباب بُرے نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی سبب سے خدا سے غافل ہوجائے تو یہ ضرور نہیں۔ کہ یہ اسباب مال ودولت وفرزند وزن ہی ہوں۔ بلکہ کوئی ہوں ایسے اسباب جو خدا سے غافل کرتے ہیں بُرے ہیں۔ اور اسی کو دُنیا کہتے ہیں۔ ایک شخص مالدار اور عیالدار بھی ہے اور خدا سے غافل نہیں۔ تو مال اور اولاد اُس کے واسطے دُنیا نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی مذکور ہے۔ کہ اہل اللہ کو تجارت اور کاروبار اللہ تعالےٰ

کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مفلس ہو اور غافل ہو تو افلاس اُس کے لیے دُنیا ہے۔ آیات مذکورہ بالا میں ان خواہشات کی طرف اشارہ ہے۔ جو دُنیاوی جاہ و جلال کی طلب کی تحریک کرتی ہیں۔ اور اُس کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی خوشنودی اور دار الآخرہ کے اجر کو نظر انداز کرتی ہیں۔ ایسی خواہشیں سخت مذموم ہیں۔ اور فی الحقیقت اُن خوبیوں کے مخالف ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کو پسندیدہ ہیں۔ جن کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں قرآن شریف کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ مال و دولت یا فرزند و زن بُرے اسباب ہیں اور اس لیے اُنہیں جمع نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ خواہشیں الوالعزم پیغمبروں کی دُعاؤں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ان کے ہاں اولاد ہو ذلت اور مسکنت اللہ تعالےٰ کے غضب کا نتیجہ ہیں۔ اہل اللہ اور دُنیا دار دونوں اسی دُنیا میں رہتے۔ چلتے۔ پھرتے۔ کھاتے پیتے ہیں یہی اسباب ہیں جو دنیا میں موجود ہیں اور دونوں استعمال کرتے ہیں۔
لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مال جمع کرتا ہے اور ضروریات زندگی اور نیک کاموں میں صرف کرتا ہے۔ اور دوسرا عیش و عشرت میں اُڑاتا ہے۔ یہی مال اور یہی اسباب ایک کی مغفرت کے باعث ہیں اور دوسرے کی ہلاکت کا موجب ہیں "حیات الدنیا و زینتھا" ایسے لفظ ہیں جو اپنے معنے آپ ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی ایسی زندگی اور ایسی زندگی کی زینت جو دنیا تک محدود ہے۔ مال و دولت اور فرزند و زن کو حیات دنیا اور اُس کی زینت سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اور نہ

اس آیت کا یہ مفہوم ہے۔ یہ تو صرف اسباب ہیں۔ اور ان کے اچھے یا بُرے استعمال کا انحصار خواہشات پر ہے۔ مثلاً ایک شخص مال جمع کرتا ہے اور اس کی خواہش یہ ہے کہ وہ اس ذریعہ سے مال دار کہلائے لوگ اس کے محتاج اور دست نگر ہوں اور اس کی عزت کریں۔ بیشک اسے اختیار ہے۔ اس کی خواہش پوری ہوگی۔ لیکن یہ عزت صرف اسکے جیتے جی ہے۔ مرنے کے بعد معاملہ دگرگون ہے۔ یا ایک عورت کی یہ خواہش ہے کہ اسکا خاوند مال دار ہو۔ تاکہ وہ بیش قیمت زیورات سے لدی ہو۔ اور عورتوں کے حلقہ میں ممتاز نظر آئے۔ اسے دنیاوی زندگی کہتے ہیں۔ یا اس کی یہ خواہش ہو کہ اس کا خاوند عالی نسب ہو تاکہ فخر کا موجب ہو۔ یا ایک طرف ایک غلام مومن۔ اُن اوصاف سے موصوف جن کا ذکر ہو چکا اس کا طلبگار ہو۔ اور دوسری طرف ایک عالی نسب مالدار عیاش۔ اوباش اور بدمعاش اس کا خواہاں ہے اور وہ اِن دونوں میں سے آخرالذکر کو اس کے عالی نسبی اور مال کی وجہ سے ترجیح دیتی ہے۔ اور اوّل الذکر کے اوصاف حسنہ۔ اور موخرالذکر کے خصائل ذمیمہ کو نظر انداز کرتی ہے۔ تو کچھ شک نہیں کہ ایسی عورت حیاۃ الدنیا وزینتھا۔ کی طالب ہے۔ اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ خبیث مرد خبیث عورتوں اور طیب مرد طیب عورتوں کے لیے موزون اور مناسب ہیں۔ اگر مرد اور عورت میں صرف ان خوبیوں کی تلاش کی جائے جو اللہ تعالےٰ کو پسندیدہ ہیں تو ممکن نہیں کہ ایسے میاں بیوی میں ناموافقت ہو۔ ناموافقت کے اسباب صرف حیاۃ الدنیا وزینتھا۔ ہیں۔ لوگ حسب ونسب مال وجاہ

اور صرف خوبصورتی کو دیکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ صرف ان باتوں سے عورت اور مرد میں مودۃ اور رحمت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ مرد اور عورت میں وہ خوبیاں نہ ہوں جنکا ذکر کیا گیا ہے۔

اگر زینب حسب و نسب پر ناز کرتی تھی۔ اور زیدؓ کو غلام سمجھ کر حقیر سمجھتی تھی تو کچھ شک نہیں کہ وہ حیاۃ الدنیا و زینتھا کی طالب تھی۔ اور اُسے وہ تمام خوبیاں نظر انداز کر دیں جو زیدؓ کی ذات میں موجود تھیں۔ اور جن کے باعث وہ اصحاب کبار میں ممتاز تھا۔ اور زیدؓ بالکل حق بجانب تھا۔ کہ زینب کو یہ کہتا۔ کہ "آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں۔ کیونکہ تم دنیاوی زندگی اور اسکی زینت کی طالب ہو اور اگر تم اس زندگی کو پسند کرو جو اللہ اور اُسکے رسول نے پسند فرمائی تو آخرت میں اجر عظیم ہے۔ اس پر بھی اگر زینب اس کو حقیر سمجھتی تھی اور اُن سے بذریعہ طلاق علیحدگی اختیار کی تو وہ کیوں مورد عتاب ہوا۔

جیسا کہ ہمنے بیان کیا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ زینب کی عالی نسبی اور زیدؓ کی غلامی پر یہ قیاس کیا گیا ہے کہ زینب زید کو حقیر سمجھتی تھی۔ اس لیے زید نے طلاق دی۔ یہ قیاس صریحًا غلط ہے۔ محدثین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ زینب قدیمۃ الاسلام اور مہاجرات میں داخل تھیں۔ راست باز اور منصف مزاج سخی اور فیاض عورت تھیں۔ رحم دلی اور ہمدردی کا قدرتی مادہ موجود تھا۔ اپنے ہاتھ سے چمڑے کو دباغت کرتی اور اُس کی آمدنی یتیموں اور محتاجوں میں تقسیم کرتی۔ حضرت عمرؓ نے آپکا وظیفہ بارہ ہزار درہم سالانہ مقرر کیا

آپ ہمیشہ یہ رقم محتاج رشتہ داروں اور یتیموں میں خیرات کردیتیں غرض زینب میں ان تمام خوبیوں کا موجود ہونا بیان کیا ہے۔ جو ہم مذکورہ بالا آیات الاحزاب میں لکھ چکے ہیں۔ اس لیے امید نہیں ہوسکتی کہ ایسی مومنہ اور پرہیزگارہ اپنے شوہر کو حسب و نسب کے لحاظ سے حقیر سمجھتی ہو۔

ہمارے روزانہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ میاں بیوی میں نزاع کے اسباب صرف حیاۃ الدنیا و زینتھا ہیں۔ اس لیے قیاس یہ کیا گیا۔ کہ زینب دنیاوی زندگی اور اس کی زینت کی خواہاں تھی۔ لیکن قرآن شریف کی کسی آیت سے اسکی تائید نہیں ہوتی۔ اگر یہ قیاس زید کی نسبت کیا جاتا تو معقول تھا کیونکہ زید پر خفگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ ہمارے ایک فاضل دوست نے یہ قیاس کیا ہے کہ "زینب[۱] خوبصورت عورت نہ تھی۔ بلکہ کریہہ منظر تھی طبعی نفرت کے باعث زید نے طلاق دے دی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ قیاس کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن" معقول ضرور ہے۔ جب زینب کا نکاح ہوا اس وقت ان کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی۔ اس وقت تک کوئی شخص ان کا خواستگار نہ ہوا تھا۔ اس عمر تک عرب جیسے گرم ملک میں بن بیاہی رہنا قیاس پیدا کرسکتا ہے کہ وہ خوبصورت نہ تھیں۔ وہ مہاجر اور قدیمۃ الاسلام تھی۔ اور آنحضرت صلعم سے قرابت قریبہ تھی۔ اسلیے

سلہ[۱] ہمارے فاضل دوست مولوی احمد الدین صاحب مدرس مدرستہ المسلین امرتسر گوشہ نشینی پسند فرماتے ہیں۔ لیکن ہم ضرور کہیں گے کہ ؎

"وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار"

قدرتاً آنحضرت صلعم کو فکر تھا کہ ان کا نکاح کسی صالح مومن مرد سے ہو جائے۔ زید ایک ایسا شخص تھا جس پر آپ نے بچپن سے احسانات کیئے تھے۔ اور اس پر آپ کو بہت کچھ دعوے تھا۔ اور آپ کو نیز سے توقع تھی کہ وہ انکار نہ کرے گا۔ آیت:۔ واذ تقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه۔" میں صاف صاف ان احسانات کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

آیت ماقبل:۔ وما کان لمومن ولامومنة اذ قضی الله ورسوله امراان یکوهم الخیرة من امرهم سے بھی یہی استدلال ہو سکتا ہے۔ ایسا امر جس کی نسبت اللہ کا حکم ہو۔ قرآن شریف میں مذکور ہونا چاہیئے۔ جس کی تبلیغ رسول اللہ نے فرمائی وہ اللہ کا ارشاد ہے۔ اور اس کا ثبوت قرآن شریف کی آیات میں ہونا چاہیئے۔ اس آیت میں فیصلہ شدہ امر کی طرف اشارہ ہے اور یہ فیصلہ شدہ امر سورہ نساء (۳ع) میں اس طرح مذکور ہے:۔

وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسی ان تکرهوا شیئاً ویجعل الله فیه خیراً کثیراً ہ یعنی عورتوں سے اخلاق کے ساتھ سلوک کرو۔ اور اگر تم کو وہ مکروہ معلوم ہوں تو صبر کرو اور اُن کو جدا نہ کرو) ہو سکتا ہے کہ تم کو کوئی چیز مکروہ معلوم ہو اور خدا نے اسی میں اصلاح اور خیر اور برکت رکھی ہو۔

بہرحال ناموافقت کی کچھ ہی وجہ کیوں نہ ہو۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ قصور زید کا تھا۔ عموماً میاں بیوی میں بعض اوقات کھٹ پٹ ہو جایا کرتی ہے۔ اور معمولی باتوں پر سخت کلامی تک نوبت

پہونچ جاتی ہے۔ اگرچہ موسوی شریعت کے حاملان نے مرد کو طلاق کی اجازت ایسے معمولی باتوں پر بھی دی ہے۔ لیکن اسلام کی یہ تعلیم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہر ایک کوشش میاں بیوی میں صلح و صفائی پیدا کرنے کے لیے کرنی چاہیئے۔ سورۂ نساء میں مرد اور عورت کے باہمی تعلقات اور معاشرت کے متعلق مفصّل احکام ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسی ہی صورت زید اور زینب کے درمیان پیدا ہو گئی ہو اور زید نے طلاق دینے میں جلدی کی۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ زینب اگرچہ پرلے درجہ کی پارسا اور پرہیزگار عورت تھی مگر خوبصورت نہ تھی۔ زیدؓ نے رسول خدا کے کہنے سننے پر نکاح تو کر لیا۔ لیکن وعاشروھن بالمعروف پر عمل نہ کر سکا۔ اور یہ ممکن ہے بلکہ قیاس غالب ہے کہ نکاح سے پیشتر اس نے زینب کو نہ دیکھا تھا۔ اگر رسول خدا کو ابتداء سے معلوم ہو جاتا کہ زید کراہت کی حالت میں زینب سے گذران نہیں کر سکتا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ کبھی زینب کا عقد زیدؓ سے نہ باندھتے۔

ہمارا خیال ہے کہ ہم نے ضرورت سے زیادہ ناموافقت کے اسباب پر بحث کی ہے۔ مگر اس سوال کو نظرانداز نہیں کر سکتے کہ کیا یہی کچھ اثر تعلیم اسلام کا اصحاب رسول اللہ پر ہوا۔ کہ ایک معزز صحابی نے آنحضرتؐ کا کہا نہ مانا؟"

ہم نے بالاختصار اس سوال کا جواب دے دیا ہے کہ نکاح کے معاملہ میں اسلام کسی شخص کی طبیعت پر جبر نہیں کرتا۔ میاں بیوی نے ایک دوسرے کے ساتھ تمام عمر بسر کرنی ہوتی ہے۔ اب اگر ایک شخص کامیابی کے ساتھ اپنی طبعی خواہشات کا مقابلہ نہیں

کر سکتا اور دیکھتا ہے کہ تمام عمر اسی جدوجہد میں بسر ہوگی کہ کسی طرح بیوی کی محبت اپنے دل میں پیدا کروں اور اس تکلیف سے بچنے کے لیے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ تو ہماری رائے میں اِن حالات میں وہ گنہگار نہیں اگرچہ بلحاظ تقویٰ قصوروار ضرور ہے۔ زید کی جگہ اگر کوئی اور کم پایہ کا شخص ہوتا تو اس پر اتنا بھی عتاب نہ ہوتا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ زید سا پرہیزگار اور خدا ترس آدمی اُس کمزوری سے نہ بچ سکا جو تقاضاء بشریت ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول کا زید کو ملامت کرنا یہی معنے رکھتا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے نزدیک زید کا رتبہ عام مسلمانوں سے بلند تھا۔ زید کا پہلا نکاح رسول اللہؐ کی لونڈی ام ایمن سے ہوا یہ بیوہ عورت تھی۔ زید نے اسکے جیتے جی دوسرا نکاح نہ کیا۔ اور تمام عمر خوش اسلوبی سے بسر کی۔ ام ایمن کی وفات کے بعد دوسرا نکاح زینبؓ سے ہوا۔ جو عالی نسب ہونے کے علاوہ رسولِ خداؐ سے قرابت قریبہ رکھتی تھی۔ زید نہایت خوش قسمت تھا کہ اُسے ایسی زوجہ نصیب ہوئی۔ اس لیے اگر اس سے چند روز بھی نباہ نہ ہو سکا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ زید نے تقاضاء طبعی سے کس قدر مجبور ہو کر طلاق دی ہوگی ان حالات میں کوئی انصاف پسند عقلمند یہ فتوےٰ نہ دے گا۔ کہ زید گنہگار تھا۔ نکاح کی علت غائی کچھ شک نہیں کہ یہی ہے کہ میاں بیوی باہمی محبت و پیار سے عمر بسر کریں۔ زید نے جب دیکھا کہ وہ زینب کے معاملہ میں ایسا نہیں کر سکتا تو سوائے اس کے اور کچھ چارہ ہی نہ تھا۔ کہ وہ علیحدگی اختیار کرے۔ اس قصور پر جن الفاظ میں اللہ اور اُس کے رسولؐ نے زیدؓ کو ملامت کی ہے اُس کی نسبت زید کے جی سے پوچھنا چاہیے۔ ہم انصافاً یقین کرتے ہیں کہ زید کو کافی سزا مل گئی۔ یہ ایسا قصور نہ تھا جو معاف نہ ہو سکے۔ اس پر ہم مزید بحث

آگے چل کر کریں گے۔

پرانے عہدنامے میں حضرت داؤدؑ کی نسبت لکھا ہے کہ ایک دن شاہی محل کی چھت پر ٹہل رہے تھے۔ کہ بے محابا نگاہ ایک ہمسایہ گھر پر پڑی۔ دیکھا کہ عورت نہا رہی ہے۔ اس وقت عورت کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ گویا چاند پانی میں لہریں لے رہا تھا۔ بادشاہ سلامت دل ہاتھ سے دے بیٹھے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ عورت بادشاہ کے ایک جان نثار وفادار بہادر سپاہی "حتی اوریاہ" کی زوجہ ہے۔ جو اس وقت بادشاہ کے دشمنوں سے لڑ رہا ہے۔ داؤدؑ نے عورت کو وصل کا پیغام دیا۔ جو منظور ہو گیا۔ رات ہم بستر ہوا۔ اور صبح سے پیشتر عصمت مجسّم عورت کو حاملہ کر کے رخصت کیا۔ اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اپنے سپہ سالار کو لکھ بھیجا کہ "اوریاہ کو جنگ کے وقت ایسے مقام پر کھڑا کرو کہ وہ مارا جائے۔ سپہ سالار نے تعمیل کی۔ اور "اوریاہ" مارا گیا۔ اور داؤدؑ نے اُس کی زوجہ کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔ اسکے پیٹ سے حضرت سلیمانؑ پیدا ہوئے (۲ سموئیل باب ۱۱ و ۱۲)۔

حضرت سلیمانؑ کی نسبت لکھا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ موابی اور عمونی اور ادومی اور چندانی اور حتی عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ۔ لیکن سلیمانؑ نے سب احکام خداوندی بالائے طاق رکھے اور ان عورتوں سے جفت ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن عورتوں نے اپنے اپنے معبودوں کے مندر اور بُت بنا لئے۔ اور بُت پرستی کا بازار گرم ہو گیا اور چونکہ سلیمان ان کا عاشق تھا۔ اُس لیے اسکا دل بھی خدا کی طرف سے برگشتہ ہو گیا۔ اس کے محلات میں بیگمات اور حرموں کی تعداد نو سو تھی (۱ سلاطین باب ۱۔ آیت ا لغایت ۱۳)۔

داؤد اور سلیمان کی حسن پرستی کی کیفیت تو مذکورہ بالا دو مثالوں
سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔ لیکن کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ایسے اولوالعزم پیغمبر
اور ایسے عالیشان بادشاہ ایسے قبیح جرائم کے مرتکب ہونگے اور اس طرح فسق و
فجور میں مبتلا ہونگے کہ کفر و شرک کی حد تک پہونچ جائیں گے؟ زید نے تو صرف
اتنا ہی کیا۔ کہ اپنی عورت سے جو اُس کی نظروں میں مکروہ تھی علیٰحدگی اختیار کی
کیا یہ ایسا قصور ہے کہ قابل عفو نہیں؟ جبکہ زید کو کافی سرزنش ہو چکی ہو۔ اگر
داؤد یا سلیمان نے ایسا فعل کیا ہوتا تو غالباً پراُنے عہد نامہ میں قابل ذکر
بھی نہ ہوتا۔ لیکن قرآن شریف میں اس امر کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ
آئندہ کسی مومن کو ایسے امور پر جرأت نہ ہو جو اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف
ہیں۔ اور جن سے رسول خدا نے منع کر دیا ہے۔ خواہ ایسے احکام کی خلاف ورزی
گناہ کی حد تک نہ پہونچے۔ اور بالخصوص "طلاق" پر جرأت نہ کریں۔ اگر
میاں بیوی میں تعلقات کسی قدر کشیدہ ہو گئے ہوں۔ نفسانی خواہشات
کا دلیرانہ مقابلہ کریں۔ قرآن شریف میں کسی پیغمبر کے کسی حواری یا شاگرد
کا نام نہیں لکھا گیا۔ آنحضرتؐ کے اکثر اصحاب اس پایہ اور مرتبہ کے گذرے
ہیں۔ کہ اُنکا نظیر کہیں نہیں ملتا۔ لیکن ان کا نام بھی نہیں لیا گیا۔ صرف زید کا
نام اس واقعہ کے تذکرہ میں آتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ ایک نظیر قائم ہو جائے
کہ ایک شخص سے ایک قصور سرزد ہوا اور اُس کو بھی بغیر سرزنش نہیں چھوڑا
آئندہ نسلوں کے واسطے اس مثال سے عمدہ سبق مل سکتا ہے اور بالخصوص
جو تبنیت کی خرابیوں کی اصلاح جو کچھ اس واقعہ سے عملاً کی قابل ذکر ہے

تبنیت کی رسم ہندوؤں میں قدیم الایام سے رائج ہے۔ مگر مؤرخین
کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان میں اس رسم کے اختراع کا فخر آریہ ہندوؤں

کو نہیں۔ تمدناً ہر ایک شخص کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ اسکے ہاں بیٹا ہو جو بوڑھاپے میں کام آوے۔ اور اس کی موت کے بعد جائداد کا وارث ہو۔ یہ ضرورتیں جیساکہ آریہ ہندوؤں نے محسوس کیں۔ ہر ایک ملک اور زمانہ میں ہر ایک شخص ویسے ہی محسوس کرتا ہے اور اس لیئے تبنیت ایک عالمگیر رسم ہے۔ یہ تو قدرتی آرزو ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کثرت نفوس قومی اور شخصی طاقت بناتے ہیں۔ اور ہر ایک زمانہ میں ہر ایک خاندان اور قوم نے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی ہستی قائم رکھنے کے لیے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ آریہ ہندوؤں میں تبنیت کی ابتدا خواہ کچھ ہی ہو ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم صرف تبنیت پر بلحاظ رسم مذہب بحث کرتے ہیں۔ ہندو مذہب نے تبنیت نجات کا ایک ذریعہ سمجھا ہے۔ ہر ایک لاولد ہندو کا "نرگ" سے بچنے کے لیے متبنےٰ اپنا نا اعلیٰ فرض ہے۔ جو اس کی کریاکرم اور دیگر رسم جو مذہباً ضروری ہیں ادا کرتا ہے۔ جس کے بغیر مردہ کی روح کو سخت عذاب ہوتا ہے۔ یہ عقاید نہایت فاسد ہیں اور اس لیے اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ ان عقاید کی مضرتوں کو تعلیم یافتہ ہندوؤں نے بخوبی محسوس کیا ہے اور ہم اس پر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے تبنیت پر مختلف پہلوؤں سے اگر گفتگو اور مختلف مذاہب کی خصوصیتوں پر بحث کی جائے تو ایک دفتر بن جائے۔ ہم نمونۂ از خروارے کے مقولہ پر کاربند ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تبنیت کا اثر سلسلۂ نسب پر کیا ہوتا ہے۔ اور اس غرض کے لیے ہم سب سے پہلے کتاب مقدس یعنی "بائیبل" کی جو پرانے اور نئے عہدنامہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔ اگرچہ ان آیات میں مسئلہ "تبنیت" زیر بحث نہیں لیکن

اِس مسئلہ کی خصوصیات بلحاظ نسب بخوبی واضح ہوتی ہیں۔

یسوع مسیحؑ کی اعجازی پیدائش کے قایل یقین کرتے ہیں کہ آنجنابؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اس لیے ایسے شخص کے لیے شجرہ نسب پیدا کرنا بالکل بے معنی ہے۔ لیکن چونکہ ایک پیشگوئی یہودیوں میں مشہور تھی کہ داؤد بادشاہ کی ایک شاخ سے ایک شخص پیدا ہوگا جو اُس کے تخت وتاج کا وارث ہوگا۔ اور عیسائی دنیا کا عقیدہ ہے کہ یہ پیش گوئی یسوع مسیحؑ کی ذات میں پوری ہوئی۔ اِس لیے ضروری تھا۔ کہ آنجناب کو ابن داؤد ثابت کیا جائے۔

اعجازی پیدائش کا تو یہ منشا تھا کہ یسوع مسیحؑ ابن آدم نہیں اور اِس لیے آدم کا گناہ ورا ثتاً آپ کو نہیں پہونچتا۔ لیکن ابن داؤد ہونیکا فخر کافی ثبوت اس دعوے کا ہے کہ تخت وتاج کا وارث آنجناب تھے لیکن یہ ایک معما تھا۔ جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کہ آبائی قرضہ سے سبکدوشی بھی حاصل ہو اور وراثت کے مالک بھی بن بیٹھے۔ آخر اس عقدہ لاینحل کو تبنیت نے کھول دیا۔ یعنی اس میں کوئی کلام نہیں کہ یسوع مسیحؑ مریم کے بیٹے پیدا ہوئے جو یوسف نجار کی منگیتر تھی۔ یوسف نے آنجنابؑ کو متبنٰے بنا لیا۔ یوسف ابن داؤد تھا۔ اس لیے یسوع مسیحؑ بھی ابن داؤد ٹھیرے۔

تبنیت متبنٰے کے حقیقی نسب کو تسلیم نہیں کرتی۔ اِس کی مثال ایک پیوندی درخت کی مانند ہے۔ اس لیے متبنٰے حقیقی آباؤ اجداد سے کٹ کر مصنوعی باپ کے شجرہ نسب میں پیوند ہو جاتا ہے۔ اور متبنٰے کو مصنوعی باپ کے نام پر پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ یسوع مسیحؑ کو آپکے

ہم وطن ابن یوسف کہتے (متی باب ۱۳۔ آیت ۵۵) اگر ہمیں کسی اور ذریعہ سے یسوع مسیح کی اعجازی پیدائش کا علم نہ ہوتا تو ہم یوسف کو آپ کا حقیقی باپ ہی سمجھتے۔

مقدس متی تیسنے عہد نامہ کا آغاز یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم کے نسب نامہ سے کرتے ہیں۔ لیکن مقدس لوقا (باب ۳۔ آیت ۲۳) یسوع مسیح کا ایک اور نسب نامہ تحریر فرماتے ہیں۔ جو متی سے بالکل مختلف ہے عیسائی یہ قیاس کرتے ہیں۔ کہ ان میں سے ایک جو متی نے لکھا ہے یوسف کا ہے اور دوسرا جو لوقا نے لکھا ہے آپ کی والدہ مریم کا ہے۔ اگرچہ یہودی آئین کے مطابق عورت کی طرف سے نسب قائم نہیں ہوتا لیکن ہمیں اس سے بحث نہیں۔ عیسائیوں کا اختیار ہے یہ نسب نامے جس سے چاہیں منسوب کریں۔ سوال تو یہ ہے کہ ان میں سے یسوع کا نسب نامہ کونسا ہے۔ ایک معترض کو حق حاصل ہے کہ ان نسب ناموں پر آزادانہ اعتراض کرے اور عیسائیوں کا اعلےٰ فرض ہے کہ معقول جواب دیں ہماری رائے میں یہ کوئی معقول جواب نہیں کہ ایک نسب نامہ تو یوسف کا اور دوسرا مریم کا خواہ مخواہ بنایا جائے۔ جبکہ یہودیوں کے دستور اور آئین و قوانین اس قیاس کی زور سے تردید کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معقول جواب نہیں کہ متی اور لوقا نے ان نسب ناموں کو جیسا سرکاری کاغذات میں دیکھا نقل کر دیا۔ عیسائی مفسرین نے کئی ایک تاویلیں کی ہیں۔ مگر ایک بھی معقول نہیں۔ "ہنری اور سکاٹ" مفسرین بائیبل ان نسب ناموں کے متعلق عیسائی علماء کی محنت کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس اعتراض کو جو ہر دو نسب ناموں کے اختلاف پر کیا جاتا ہے۔ ہمارے

فاضل علماء مسیحی نے نہایت محنت سے رد کیا ہے۔ غالباً یسوع یوسف
کا متبنے تھا۔ اور اس لیے سرکاری رجسٹروں میں یسوع ابن یوسف کا
اندراج ہو گیا۔ منکرین تو انہیں اختلاف سے ٹھوکر کھاتے ہیں اور
لفظی بحث میں پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن ہماری نجات کا مدار اس پر نہیں
کہ ہم ان تمام عقدوں کو حل کر سکیں۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے آسمانی
شہادت کسی طرح کمزور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مقدس سوانح نگاروں نے
یہ نسب نامے ذاتی علم سے یا بذریعہ الہام نہیں لکھے۔ بلکہ جیسا رجسٹروں
میں لکھا دیکھا نقل کر دیا۔ یہ نہایت معقول جواب ہے۔ اگرچہ کسی عقلمند
کی تشفی اس سے نہیں ہو سکتی۔ اگر ذاتی علم اور الہام سے یہ نسب نامے
نہیں لکھے یا کم از کم ان کی تصدیق ذاتی علم اور الہام سے نہیں کی۔ تو
یہ ایک نہایت آسان طریقہ مقدس سوانح نگاروں کو بری الذمہ کرنے کا
ہے کہ وہ تمام اختلافات جو اناجیل اربعہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے
ذمہ دار مقدس سوانح نگار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کسی
سے سنا لکھ دیا۔ دروغ بگردن راوی۔ وہ واقعات ذاتی علم یا الہام
کے ذریعہ سے قلم بند نہیں کرتے اور فی الحقیقت ایسے واقعات ہیں جس کو
ایک ہمعصر قلم بند کرتا ہے الہام کو کیا دخل ہو سکتا ہے۔ اور ذاتی علم کی بھی
کچھ ضرورت نہیں ایک معتبر راوی کی شہادت کافی ہے۔ اگر مقدس سوانح
نگاروں نے ایسے رجسٹروں سے نقل کیا۔ اور ذاتی علم یا الہام کو انکی تصدیق
کے واسطے تکلیف دینا مناسب خیال نہیں کیا۔ تو کیا یہ اختلاف اب دور
ہو گیا ہے؟ اختلاف تو اب بھی موجود ہے۔ خواہ یہ اختلاف ابتدا
ہی رجسٹروں میں تھا یا متی اور لوقا کی تحریروں میں۔ رجسٹر جنکا حوالہ دیا

جاتا ہے اب موجود نہیں ورنہ اس تاویل کی حقیقت کا بھی انکشاف ہو جاتا۔ ایسا دعوے جس کی شہادت موجود نہیں کسی طرح قابل تسلیم نہیں لیکن متی اور لوقا کی تحریریں موجود ہیں اور ان میں یہ اختلاف صریحاً موجود ہے اور لوقا کے نسب نامہ میں ایک حرف بھی ایسا نہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ مقدس سوانح نگار مریم کا نسب نامہ لکھ رہا ہے معلوم نہیں کہ مسیحی علماء کو کس طرح معلوم ہوا۔ کہ یہ نسب نامہ مریم کا ہے۔ ذاتی علم سے یا الہام سے جس کا دعوے خود مقدس سوانح نگاروں کو بھی نہیں۔

المختصر یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ لوقا مریم کا نسب نامہ لکھتا ہے بلکہ ثبوت اور قطعی شہادت موجود ہے۔ کہ یہ نسب نامہ مریم کا نہیں ہو سکتا ایک معترض جو تبنیت کے اصولوں سے واقف ہے۔ کہہ سکتا ہے۔ کہ ان میں سے ایک تو یسوع مسیح کے حقیقی والد کا اور دوسرا یوسف نجار کے مصنوعی باپ کا نسب نامہ ہے۔ اس میں تو کوئی کلام نہیں اور ہر ایک عیسائی تسلیم کرتا ہے۔ کہ یسوع مسیح یوسف نجار کے متبنیٰ تھے۔ اور کسی متبنیٰ کا حقیقی سلسلہ نسب اگر اسی زمانہ میں قلم بند نہ کیا جائے تو چند پشتیں گذرنے کے بعد منقطع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو اس کے حقیقی آباؤ اجداد کا علم نہیں ہوتا۔ ہر ایک شخص اس کے مصنوعی باپ کو اسکا حقیقی والد تصور کرتا ہے۔ اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ وہ متبنیٰ تھا۔ لیکن یہ علم اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ معتبر زبانی روایتیں اور محفوظ تحریریں اس کی شاہد ہوں۔ اب اگر متی اور لوقا نسب نامے تحریر نہ کرتے یا ان میں سے ایک نسب نامہ کے متعلق کچھ نہ لکھتا۔ اور ہمیں مقدس سوانح نگاروں

کی تحریر میں سے صرف اتنا معلوم ہوتا کہ یسوع یوسف کا متبنی تھا تو بجا پیدائش کی نسبت ایک معترض اعتراض کرسکتا ہے اور نہایت معقول اعتراض کرسکتا ہے کہ چونکہ متبنی کے حقیقی آبا و اجداد کا سلسلہ اس رسم تبنیت کے نامعقول اصولوں کے باعث ہمیشہ کے لیے اس سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اس لیے خوش اعتقادوں کو یہ سند ہاتھ لگ گئی۔ کہ یسوع کا حقیقی باپ کوئی تھا ہی نہیں۔ اب جبکہ متی یوسف نجار کا نسب نامہ قلم بند کرتا ہے اور لوقا ایک اور نسب نامہ یسوع کا لکھتا ہے تو معقول اور صحیح تعبیر اس نسب نامہ کی یہ ہے کہ یہ یسوع کا حقیقی نسب نامہ ہے۔ جسے لوقا نے نہایت دور اندیشی سے خواہ رجسٹروں سے یا ذاتی علم سے محفوظ رکھا

مقدس متی یسوع ابن داؤد ابن ابراہیم کے نسب نامہ میں اس طرح تحریر کرتے ہیں۔ کہ "ابراہیم سے اسحاق پیدا ہوا۔ اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوا۔ اور یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے۔ اور یہوداہ سے فرض اور زوسج تامار کے پیٹ سے پیدا ہوئے" اس نسب نامہ میں یعقوب سے یہوداہ اور اس کے بھائیوں کا تذکرہ ضروری تھا۔ اور اسی طرح یہوداہ سے فرض اور زواج کا تعلق بھی لازمی ہے۔ ورنہ بظاہر بھائیوں کا نام لکھنا کیا ضرور تھا۔ پیدائش (باب ۳۸) میں ان ناموں کی مفصل کیفیت درج ہے۔ کہ یہوداہ ابن یعقوب کے تین بیٹے۔ عیر اونان۔ اور سیلہ تھے۔ یہوداہ نے بڑے بیٹے عیر کا نکاح تامار نامی عورت سے کیا۔ لیکن عیر بقضاء الٰہی لاولد فوت ہو گیا۔ تب یہوداہ نے اونان کو کہا کہ اپنے بھائی کی جورو کے پاس جا اور اپنی بھاوج کا حق ادا کر اور اپنے بھائی کے لیے نسل چلا۔ لیکن اونان نے جانا کہ یہ نسل میری

نہ کہلائے گی۔ اور یوں ہوا کہ جب وہ اپنے بھائی کی جورو کے پاس جاتا تھا تو نطفہ کو زمین پر ضائع کرتا تھا۔ تا نہ ہووے کہ اسکا بھائی اُس سے نسل پاوے۔ یہ لڑکا بھی مر گیا۔ یہوداہ ڈر گیا کہ ایسا نہ ہو کہ تیسرا خوردسال لڑکا بھی مر جائے۔ اس لیئے تامار کو کہا۔ کہ اپنے باپ کے گھر بیٹھ رہ جب تک سیلہ جوان ہو۔ لیکن تامار اِس قدر عرصہ دراز تک صبر نہیں کر سکتی تھی۔ ایک دن کسبی کا بھیس بدلا۔ اور برقعہ اوڑھ کر یہوداہ سے ملاقات کی۔ یہوداہ اُس سے ہم بستر ہوا اور تامار حاملہ ہوئی۔ اور وہ توام بیٹے جنی ایک کا نام فرص اور دوسرے کا نام زورح رکھا گیا۔

اِس واقعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں اگر ایک بھائی لاولد مر جاتا۔ تو دوسرا بھائی اُس کا سلسلہ نسب قائم رکھنے کے لیے اُس کی عورت سے ہم بستر ہوتا۔ اور اگرچہ حقیقی باپ دوسرا بھائی ہوتا۔ لیکن سلسلہ نسب پہلے متوفی اور لاولد بھائی کے نام پر چلتا۔ یہ دلچسپ سوال ہو سکتا ہے کہ فرص اور زورح عیر کے بیٹے ہیں یا عیر کے باپ یہوداہ کے؟ مقدس متی نے اِس غلط فہمی کو رفع کر دیا ہے۔ لیکن اِن حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ وہ حقیقی آبا و اجداد کی نسل سے ہے؟ یہی نتیجہ اُس مذموم رسم کا ہے جسے ہندوؤں کی اصطلاح میں "نیوگ" کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں تو ایک لاولد شخص کی وفات کے بعد اس کا سلسلۂ نسب قائم رکھنے کے لیے اس کے بھائی حق برادرانہ ادا کرتے تھے۔ لیکن "نیوگ" ایسی حیاسوز رسم ہے کہ شوہر کی زندگی میں زوجہ غیر مرد سے اولاد حاصل کرتی ہے۔

کذب۔ فریب۔ دغا۔ ان تمام رسموں کی تعلیم ہے۔

اسلام نے تبنیت کو اُسی حد تک تسلیم کیا ہے کہ متبنی کی پرورش اور

اس کی تعلیم و تربیت اور اس کے ساتھ احسان و مروت کی جائے چنانچہ "و انعمت علیہ" میں اس کا تذکرہ صراحتاً کیا گیا ہے۔ اور اس نے کے ساتھ تمام خرابیوں کی اصلاح کردی کہ "ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ ج وماجعل ازواجکم الیٰ تظھرون منھن امھتکم وماجعل ادعیاءکم ابناءکم ط ذلکم قولکم بافواھکم ط واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ہ ادعوھم لاٰبآئھم ھو اقسط عنداللہ ج فان لم تعلموا اباءھم فاخوانکم فی الدین ومو الیکم ہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے وجود میں دو قلب نہیں بنائے۔ قدرتی خواہشات اور محبت کی جگہ ایک ہی قلب ہے۔ وہ قدرتی تعلقات جو باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے اور والدہ کو بیٹے سے ہوتے ہیں۔ اور وہ قدرتی محبت کا مضبوط رشتہ جو بیٹے اور والدین کے مابین ہے۔ کسی سنت سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص کو منہ سے بیٹا کہہ دیا تو وہ حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک شخص کسی عورت کو منہ سے ماں کہہ بیٹھتا ہے تو وہ فی الحقیقت اس کی ماں نہیں بن جاتی یہ تو صرف منہ کی باتیں ہیں اور باپ۔ ماں۔ بیٹے میں قلبی رشتہ زبانی باتوں سے قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک شخص کا حقیقی بیٹا موجود ہو تو کیا وہ کسی غیر کے لڑکے کو متبنیٰ بنانے کی خواہش کرے گا؟ ہرگز نہیں جس کی

سلہ جاہلیت کی ایک مذموم رسم یہ بھی تھی کہ اگر اتفاقیہ یا دیدہ دانستہ کوئی کوئی شخص اپنی زوجہ کو ماں کہہ بیٹھتا تو اس سے ہمیشہ کی ہو جاتی اور اس کو ہمیشہ ماں ہی سمجھتا۔ حالانکہ یہ منہ کی بات ہے۔ قلب اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اور وہ حقیقی رشتہ جو ماں اور بیٹے میں ہے قائم نہیں ہو سکتا۔

وجہ یہ ہے کہ قدرتی محبت صرف حقیقی بیٹے سے ہوگی۔ فطرت ان جاہلوں پر ہنستی ہے جو اپنے زعم ناقص میں یہ سمجھتے ہیں کہ متبنی اُن کو حقیقی باپ سمجھ کر قلبی محبت رکھتا ہے۔ حقیقی بیٹے اور متبنے میں بہت فرق ہے۔ قدرت نے متبنے کو حقیقی بیٹے کا رتبہ نہیں دیا۔ اللہ تعالےٰ کا کلام "نیچر" ہے اور اس لیے وہی الٰہی کلام ہو سکتا ہے جو اُسکے مطابق ہو۔ قرآن شریف کی اس آیت پر غور کرو واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ یعنی اللہ تعالےٰ کا کلام حق ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ متبنے کو حقیقی بیٹا سمجھنا اور اُس کو حقیقی آباو اجداد سے قطع کرکے اپنے نسب میں ملانا دُنیا کو دکھا دینا ہے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے اللہ تعالےٰ سچی بات فرماتا ہے کہ "ادعوھم لاباھم" اُن کو انکے حقیقی باپ کے نام پر پکارو اور ھو اقسط عند اللہ۔ یہ امر عین نیچر کے مطابق اور صحیح اور درست ہے۔ ادعوھم لاباھم نے ان تمام خرابیوں کی اصلاح کردی جو تبنیت میں موجود تھیں۔ حضرت زید کی نسبت روایت کی گئی ہے کہ اُن کو لوگ ابن محمد کہتے تھے۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو حقیقی باپ کے نام پر پکارتے تھے۔ ممکن ہے کہ کسی لے پالک یا اور کسی شخص کے باپ کا نام معلوم نہ ہو اور وہ مجہول النسب ہو۔ اُس کی نسبت جب ایسی صورت ہو تو حکم ہے کہ "فان لم تعلموا اباھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم"۔ یعنی وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں "انما المومنون اخوۃ" یعنی تمام مومن آپس میں بھائی ہیں۔" اخوت[1] اسلام کی تعلیم ہے اور اسکا اثر یہ ہے کہ مسلمانوں میں

---

[1] جائز تبنیت کے علاوہ اسلام نے "اخوت" کی تعلیم دی ہے جسکی ضرورت

ایک ایسا رشتہ قائم ہے کہ ان میں اتفاق اور اتحاد، خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں، موجود ہے۔ اخوت نے مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا ہے۔ ہندو مذہب میں یہ بات ہی نہیں۔ ذاتوں کا امتیاز "اخوت" سے سخت مخالف ہے۔ اور اس لیے ہندو کبھی ایک قوم نہیں بن سکتے جب تک وہ ذاتوں کو معیار عزت و عظمت سمجھتے ہیں۔ قدرت نے ذاتوں کو صرف اس لیے بنایا ہے کہ تعارف کے لیے امتیاز ہو سکے۔ اور یہ اسلام کی تعلیم ہے۔ لیکن ہندو ذاتوں کے امتیاز کو اٹھا نہیں سکتے۔ جب تک تناسخ کا انکار نہ کریں جو ہندو مذہب کی جان ہے۔ اس لیے اگر ہندو ایک قوم بننا چاہتے ہیں تو اس کے سوائے کوئی صورت نہیں کہ سب سے پیشتر وہ اپنے مذہب سے بیزاری ظاہر کریں اور اسلام کی متابعت میں "اخوت" قائم کریں۔

متبنیٰ جبکہ حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو وہ درجہ دیا جائے جو ایک حقیقی بیٹا قدرتاً رکھتا ہے۔ لیکن تبنیت کی خرابیٔ یہ بھی ہے کہ متبنیٰ کی زوجہ کو حقیقی بیٹے کی زوجہ سمجھا گیا ہے سورہ نساء میں اسلام نے اس خلاف فطرت عقیدہ کی تردید اس طرح کر دی۔ وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ یعنی صلبی بیٹے کی زوجہ حرام ہے۔ متبنیٰ کی بیوہ یا مطلقہ حرام نہیں۔ آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تبلیغ کر دی تھی۔ لیکن ابھی اس حکم پر عمل کرنے کا موقع کسی مسلمان کو نہیں ملا تھا۔ ایسا اتفاق شاذ ہی ہوتا ہے کہ ایک متبنیٰ بیوہ

(بقیہ نوٹ) دنیا کو بخت ہے۔ اور تمام دنیا کے انسان آپس میں برادرانہ سلوک کرتے ہیں۔ "اخوت" پر انشاء اللہ ہم علیحدہ رسالہ میں بحث کریں گے ◆

چھوڑ دے یا اپنی زوجہ کو طلاق دے۔ جاہلیت عرب اور ہندوؤں کی طرح کئی
ایسی مذموم رسمیں جاری تھیں۔ اگر آنحضرت کی زندگی میں متبنیت کی اس
خرابی کو دفع کرنیکا موقع نہ ملتا۔ تو غالباً یہ رسم مسلمانوں میں بھی جاری رہتی
اسی دوران میں کہ کوئی شخص اسے توڑنے کی جرات کرتا۔ اسی وقت حضرت زید
نے زینب کو طلاق دے دی۔ تو آنحضرت کے دل میں تمنا یا خواہش پیدا
ہوئی ہوگی۔ کہ اگر کسی اور مسلمان کو زینب سے نکاح کی جرات نہ ہو سکی
تو ممکن ہے کہ دوبارہ یہی صورت پیدا ہو جو زید کے ساتھ پیش آئی۔ یہ تو
ایک قیاس ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ آپ کے دل میں یہ
خیال ضرور تھا۔ کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ متبنیت کی خرابی کو عملاً
ختم کیا جائے۔ اور ہر ایک مسلمان آپ سے اس امر کی توقع رکھتا ہے
کہ زینب سے خود نکاح کر کے پہلی مثال آپ قائم کریں۔ اور یہ بھی کہ اگر
آنحضرت کسی اور مسلمان کو زینب سے نکاح کے لیے کہتے۔ تو
اصحاب ضرور خیال کرتے کہ آنحضرت نے متبنیہ کی مطلقہ زوجہ سے
خود نکاح کرنا مکروہ خیال کیا ہے۔ اور آیندہ نسلوں کو تو یہ مسئلہ
الجھ جاتی کہ گو اللہ تعالیٰ نے متبنی کی مطلقہ عورت کو
حلال کیا ہے۔ مگر ان سے نکاح کرنا سنت رسول اللہ نہیں۔ اسکا اثر
یہ ہوتا کہ اسلام کی تعلیم ناقابل عمل ثابت ہوتی۔ جیسا کہ یسوع مسیح کی
تعلیم ہے۔ اگرچہ نعوذ باللہ ایسی ناقابل عمل ہے کہ اس پر عمل ہی نا
ممکن ہے۔ اس لیے ضرور تھا کہ آنحضرت متبنیت کی خرابیوں کی اصلاح
عملاً فرماتے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ڈر تھا۔ کہ کفار اور مشرکین جو متبنی کو
حقیقی بیٹا سمجھتے ہیں۔ کیا کچھ نہ کہیں گے۔ ہنسیں گے کہ دیکھو محمد نے اپنے

بیٹے کی زوجہ سے نکاح کیا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ کسی رسم کو توڑنا خواہ وہ کیسی ہی مذموم کیوں نہ ہو سخت مشکل کام ہے۔ کوئی شخص ایسی مذموم رسموں کے برخلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کرتا تمام لوگ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ مسلمان قوم کا عموماً یہی حال ہوتا رہا ہے ایسی مروجہ رسموں کو عملاً توڑنا تو فوق العادت جرأت کا کام ہے۔ کچھ شک نہیں کہ آنحضرتؐ کے دل میں یہ ڈر تھا کہ کفار اور منافقین کو چہ مے گوئی کا موقع ملے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کا حوصلہ بڑھایا اور ارشاد ہوا کہ " یا ایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین ○ ان اللہ کان علیما حکیما ○ واتبع ما یوحی الیک من ربک ان اللہ کان بما تعملون خبیرا ○ وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا ○ یعنی اے نبی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور کافروں اور منافقوں کی باتوں پر نہ جاؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر وحی ہوتی ہے اس کی متابعت کرو۔ بیشک اللہ کو تمہارے ہر ایک عمل کی خبر ہے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اللہ تمہارا کارساز کافی ہے (الاحزاب) اور صاف صاف الفاظ میں ارشاد ہوا کہ :-

وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس ج واللہ احق ان تخشٰہ ط فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاءھم اذا قضوا منھن وطرا ط وکان امر اللہ مفعولا ○ یعنی تو اپنے جی میں ایک ایسی بات چھپاتا تھا جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا ہے

اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا۔ کہ یہ کفار اور منافقین باتیں بنائیں گے ہنسی میں اڑائیں گے۔ لیکن ڈرنا اللہ سے چاہیئے۔ کہ جب وہ ایک امر کی اجازت دیتا ہے یا حکم کرتا ہے تو اُس کی تعمیل کرنی چاہیئے۔

جب زید زینب سے بالکل علیحدگی اختیار کر چکا تو ہم نے اسکو تیرے نکاح میں دے دیا اور غرض یہ تھی کہ مومنین کو اپنے لے پالکوں کی عورتوں سے نکاح کرنے میں دقت واقع نہ ہو۔ وہ اسے مکروہ یا مذموم یا گناہ نہ سمجھیں۔ جبکہ اُن کے لے پالک اپنی عورتوں سے علیحدگی اختیار کر لیں۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس وقت آنحضرتؐ زینب سے نکاح نہ کرتے تو آئندہ کوئی مومن کسی لے پالک کی بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح نہ کرتا۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے اسباب جمع کر دئے کہ خود آنحضرتؐ کو مثال بننا پڑا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت ایسا نہ کرتے۔ اور اگر کوئی اور صحابی ایسا کرتا تو مدعا حاصل نہ ہوتا ایسی رسوم کو توڑنے کے لیے خود آنحضرت کو مثال بننا چاہیئے تھا۔

مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس خیال سے کہ اللہ تعالےٰ نے زینب کو زوجیت میں دے دیا ہے۔ اس لیے "عدت" کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔ حالانکہ طلاق کے بعد ایام عدت کے گذرنے پر نکاح کرنا چاہیئے تھا۔ یہ اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے "عدت" اسلام کی تعلیم ہے۔ اور اس کی بھی وہی غرض ہے جو ادعوھم لاٰبائھم کی ہے۔ بلکہ "عدت" حقیقی آبا و اجداد کا نسب قائم رکھنے کے لیے پہلا اصول ہے

اگر ایک عورت حاملہ ہو اور حمل کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں اور اُس کا خاوند اُسے طلاق دے دے۔ اور وہ عورت فی الفور

دوسرے مرد سے نکاح کر لے تو وہ اولاد جو اب پیدا ہوگی کس کی
کہلائے گی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اولاد اس کے پہلے خاوند کی ہے
یا دوسرے شوہر کی؟ "عدت" نے اس خرابی کی اصلاح کر دی۔ اگر
عورت حاملہ ہے تو حمل کے آثار ضرور ظاہر ہونگے۔ ورنہ ایام عدت
کے بعد اولاد دوسرے خاوند کی ہوگی۔ کسی اور مذہب میں یہ خوبیاں
ہی نہیں ہیں۔ اور نہ ان کے حقیقی آباؤ اجداد کا پتہ مل سکتا ہے۔
مثلاً "ویدی" اس خاندان کی مشترکہ جائداد تھی اور دروپدی
کی اولاد بھی سب کی مشترکہ اولاد تھی۔ لیکن اس بات کی تحقیق کہ اس
اولاد کا حقیقی باپ کون ہے۔ بالکل ناممکن تھا۔

ہم نے "عدت" کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے
کہ کسی مذہب نے کسی شخص کا حقیقی نسب قائم رکھنے کے لیے کوئی
اصول وضع نہیں کیا۔ مگر اسلام نے اس خرابی کی اصلاح علماً
اور عملاً کی ہے۔ چنانچہ "عدت" کی موجودہ حالت ایک ایسی خوبی ہے
جس کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔ صرف ایک سخت متعصب آدمی جس کی
طبیعت پر انصاف کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ آنحضرت سے یہ امید کر سکتا
ہے کہ وہ خود ان احکام کے پابند نہ تھے جن کی تعلیم دوسروں کو کرتے
تھے۔ اور جبکہ یہ احکام ایسے ہوں کہ ان پر عمل کرنا سراسر ذاتی فائدہ
ہو۔ اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ تو ہم کبھی یقین نہیں کر سکتے۔ اور کوئی
عقلمند اور انصاف پسند آدمی کبھی یقین نہ کرے گا۔ کہ آنحضرت صلعم نے
"عدت" کی خوبیوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ دنیا کو "عدت" کی
تعلیم صرف اسلام نے دی ہے

لیکن ہمارا قیاس ہے کہ اس موقع پر آنحضرت نے "عدت" کی ضرورت کوفی الواقع محسوس نہیں کیا۔ آیات محولہ بالا کے بعد یہ آیت ہے:۔ یاایھاالذین امنوا اذا نکحتم المومنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃٍ تعتدونھا فمتعوھن وسرحوھن سراحاً جمیلا۔ (الاحزاب)

یعنی اے ایمان والو جب تم نکاح کرو مومنہ عورتوں سے اور ان کو مس کرنے سے پیشتر چھوڑ دو تو تمہارا کوئی حق نہیں کہ ان عورتوں سے عدت کے ایام کی گنتی پوری کرواؤ۔ ان کو جو کچھ ان کا حق ہے دے کر خوش اسلوبی سے فوراً رخصت کردو۔ مثلاً اگر ایک شخص نے اپنی منکوحہ عورت کو ہم بستر ہونے سے پیشتر طلاق دے دی تو عدت کی اس کے بعد ضرورت نہیں جیسا کہ ہم نے ظاہر کیا ہے۔ عدت کا یہ منشا ہے کہ پہلے اور دوسرے خاوند کی اولاد کے متعلق کسی قسم کا شبہہ پیدا نہ ہو۔ جب پہلا خاوند اس عورت کے نزدیک ہی نہیں گیا۔ تو اس قسم کا شبہہ پیدا ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ زیدؓ نے زینبؓ کو مس تک نہیں کیا۔ اور اس لیے طلاق کے بعد عدت کی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن شریف کی آیات کا تعلق ایکدوسرے کے ساتھ ہے۔ اور ایک ہی صورۃ کی آیات کا باہمی تعلق۔ اور بالخصوص ایسے آیات کا تعلق جو ایک ہی سورۃ میں معناً ملحق ہوں بے معنی نہیں ہو سکتا۔ غالباً اس آیت کا شان نزول یہی ہے۔ کہ زید نے زینب کو جب مس تک نہیں کیا تو عدت کی

کیا ضرورت تھی۔

ہم نے لکھا ہے کہ زینب خوبصورت نہ تھی۔ اور زید کی نگاہ میں مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ اس سے زید اس کے نزدیک نہ گیا۔ ورنہ قیاس ہو سکتا ہے کہ جب کچھ عرصہ ہم بستر ہوتا رہا۔ تو پھر طبیعت میں کراہت کس طرح پیدا ہو گئی۔ اور اس لیے علیحدگی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن زیدؓ کی طبیعت ابتدا سے ایسی برگشتہ ہوئی کہ اُسے یقین ہو گیا کہ نکاح کی مصلحتوں کو نباہ نہیں سکتا۔

آپ آنحضرت کے مرتبہ پر غور کرو۔ کہ آپ نے نہ صرف تبنیت کی خرابیوں کو عملاً رفع کیا۔ بلکہ ایک ایسی علامت سے نکاح کیا۔ جس کا پینتیس۳۵ سال تک کوئی خواستگار نہ ہوا۔ اور جب اس کا عقد آپ نے ایک ایسے شخص کے ساتھ باندھا۔ جو آپ کے احسان و مروت کی مجسم مثال تھی۔ اور جس سے امید ہو سکتی تھی کہ وہ ایسی عورت سے آنحضرتؐ کے کہنے پر نباہ کریگا تو وہ بھی نہ کر سکا۔ آنحضرت نے اپنی خواہشات نفسانی کو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیسا مغلوب کیا ہوا تھا۔ پینتیس۳۵ سال تک مجرّد رہنا تو کوئی عجیب نہیں۔ حضرت اسحاق چالیس۴۰ سال تک مجرّد رہے۔ (پیدائش باب ۲۵۔ آیت ۲۰) اور ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں جو تمام عمر مجرّد رہے۔ لیکن ایک ایسی عورت سے نکاح کرنا اعلیٰ نیکی ہے۔

زینب کے مرتبہ پر غور کرو کہ اُسے یہ فخر حاصل ہے۔ کہ وہ خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین کی زوجہ بنی۔ اور ام المومنین ہے۔

ان کے تقویٰ اور فیاضی اور بے شمار نیک خصلتوں کا اجر دنیا میں جو کچھ انہیں ملا وہ فی الواقع ان کا حصہ تھا۔

حضرت زیدؓ کی زندگی کے حالات جو بالاختصار ہم تحریر کر چکے ہیں۔ غلامی۔ تبنیت۔ نکاح۔ طلاق اور متعلقہ مسائل کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ زید نے تمام عمر میں اگر کوئی قصور کیا تو قابل ملامت ہو تو وہی ہے جس کا ذکر ہو چکا۔ لیکن جو کچھ مفید نتائج اس قصور کے باعث پیدا ہوئے۔ اور دنیاء اسلام کو جو کچھ اس کا عملی فائدہ پہونچا وہ اگر گناہ بھی ہوتا تو قابل بخشش ہے ان اللہ غفور الرحیم۔ بہرحال زید کی مثال یسوع مسیح کے شاگردوں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔

سنہ میں سرحد شام پر آنحضرتؐ کے قاصد مارے گئے۔ تو آنحضرت نے ایک لشکر شام پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کیا اس لشکر میں صحابہ کبار کی ایک جماعت تھی۔ جن میں عبداللہ ابن رواحہ۔ جعفر ابن ابی طالب۔ خالد بن ولید بھی شامل تھے حضرت زیدؓ اس لشکر کے سردار تھے مسلمانوں کی کل تعداد تین ہزار تھی مقام معان پر ہرقلیاس شہنشاہ قسطنطنیہ کی فوجوں کی نسبت خبر لگا کہ ایک لاکھ رومی۔ ایک لاکھ عرب متنصرہ سپاہ مسلمانوں کا انتظام کر رہی ہے۔ اس وقت حضرت زیدؓ نے اصحاب رسول اللہ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ مناسب ہوگا کہ آنحضرت کو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کی اطلاع دی جائے اور امداد کے واسطے لکھا جائے۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ خواہ کچھ ہو دشمن کے مقابلہ

میں پیچھے ہٹنا مومنوں کا کام نہیں۔ اس لیے خود پیش قدمی کی اور شہر "بلقا" کی ایک بستی پر جسے "شرات" کہتے ہیں رومیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ حضرت زیدؓ کے ایک ہاتھ میں علم تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار مردانہ وار دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے علم سنبھالا۔ زخموں سے بدن چھلنی ہو رہا تھا۔ لیکن ایک قدم پیچھے نہ ہٹے اور شہید ہوگئے عبداللہ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور کہا۔

یا نفس الا تقتلی تموتی   هذا حمام الموت قد صلیت

اے دل اگر تو قتل نہ ہوگا۔ اور آخر ایک دن مرنا ہے۔ یہ موت کے حوض لبریز ہیں۔ تو نے بھی ان میں غرق ہونا ہے۔

وما تمنیت فقد لقیت   ان تفعلی فعلهما هدیت

وان تاخرت فقد شقیت

تیری آرزو شہادت پوری ہوئی اگر زید اور جعفر کی طرح کام کرے گا تو منزل مقصود پر پہونچ جائے گا اور اگر پیچھے ہٹا تو نامراد ہوگا۔

عبداللہ بن رواحہ نے بھی داد مردانگی دی اور شہید ہوئے خالد بن ولید آگے بڑھے اور اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پسپا ہوگیا آفتاب غروب ہوچکا تھا۔ دونوں لشکر جدا ہوئے۔ دوسرے دن خالد بن ولید مسلمانوں کو مدینہ کی طرف واپس لائے۔ یہ جنگ غزوہ موتہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ان لڑائیوں کا پیش خیمہ ہے جو صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں واقع ہوئیں۔ مسلمانوں نے آخرکار

شام کو سخر کیا۔ اور آج تک قابض ہیں حضرت زید اور جعفر کی شہادت پر رسول اللہ نے آنسو بہائے اور فرمایا کہ یہ میرے مونس دوست تھے۔

ہم نے اس مختصر رسالہ میں آنحضرتؐ اور دیگر بانیان مذاہب اور قرآن شریف اور دیگر مقدس کتب اور اسلام اور دیگر مذاہب کی تعلیم اور اُن کے اثر کا باہمی مقابلہ کیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ : هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الحجرات)

تمت

بالخیر

نام کتاب	تعداد صفحات	نام مصنف	قیمت
شہادۃ الفرقان علی جمع القرآن	۱۳۰	شیخ عطاء اللہ پلیڈر	۸ر
الدّین یسرٌ	۴۰	مولانا حالی	۳ر
تطبیق مذہب وسائنس	۴۸	مترجمہ مسٹر عبداللہ منہاس	۳ر
کانشنس	۲۰	سرسید مرحوم	ار
فطرہ اور قانون فطرت ..	۹۴	نواب محسن الملک مرحوم	۱۲ر
تدبیر	۲۸	مولانا حالی	۲ر
یورپ اور قرآن	۴۴	مولوی چراغ علی مرحوم	۳ر
تحقیق انجیل ہر دو حصہ ..	۲۹۵	ڈاکٹر صادق علی	عمہ
تہذیب اللسان	۱۴	مولوی محمد امام الدین	ار
تاریخ القرآن	۱۰۵	اسلم جیراج پوری	۸مہ
حضرت عیسیٰ	۲۰	مولوی چراغ علی مرحوم	ار
مہدی آخرالزمان	۴۰	سرسید مرحوم	۲ر
سلیمان علیہ السلام	۶۸	مولوی چراغ علی مرحوم	۱۲ر
تمدن اسلام حصہ اول و دوم ..	۵۱۶	جرجی زیدان	ـــے
اسلام اور سوشلزم ..	۶۴	محمد رفیق بک مصری	۸ر
المراۃ المسلمہ	۱۸۰	علامہ فرید وجدی	۸ر
مسلمانوں کی تہذیب	۵۴	نواب محسن الملک مرحوم	۴ر
مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے اسباب	۱۲۸	نواب محسن الملک مرحوم	۸ر

نام کتاب	تعداد صفحات	نام مصنف	قیمت
فطرۃ الاسلام	۲۴۸	صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن	۱۴؍
مذہب سائنس	۵۲۰	ظفر علی خان بی۔ اے	عہ
فلسفۃ القرآن	۳۶	مولانا عبد اللہ العمادی	۲؍
فلسفہ ابن عربی	۲۰	״ ״	۲؍
صناعۃ العرب	۵۲	״	۳؍
اسلام	۳۲	نواب محسن الملک مرحوم	۲؍
احسان عام	۲۰	مولوی چراغ علی مرحوم	۱؍
اسلامی حکومت کا اثر ہندوستان پر	۳۲	مولانا شبلی نعمانی	۲؍
اشاعت اسلام	۳۶۲	ماسٹر شیر علی خان بی۔ اے	۸؍
انعامی مضمون اور خواتین اسلام	۵۲	منشی عبد اللہ نہاس	۲؍
زیب النساء بیگم	۱۶	مولانا شبلی نعمانی	۱؍
غذائے انسانی	۳۵	مولانا عبد الماجد	۳؍
روح کی بیداری	۸۴	مولانا فدا علی خاں۔ ایم اے	۴؍
صلۂ رحم	۳۳	مولانا عبد السمیع	۲؍
معیار الاخلاق	۴۸	خواجہ غلام الحسنین	۶؍

المشتہر

منیجر بک ڈپو وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر (پنجاب)